ماہنامہ جہدحق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

جلدنمبر29 ...... شمارہ نمبر 11 ...... نومبر 2022

(قیمت 10 روپے)

Registered No. CPL-13

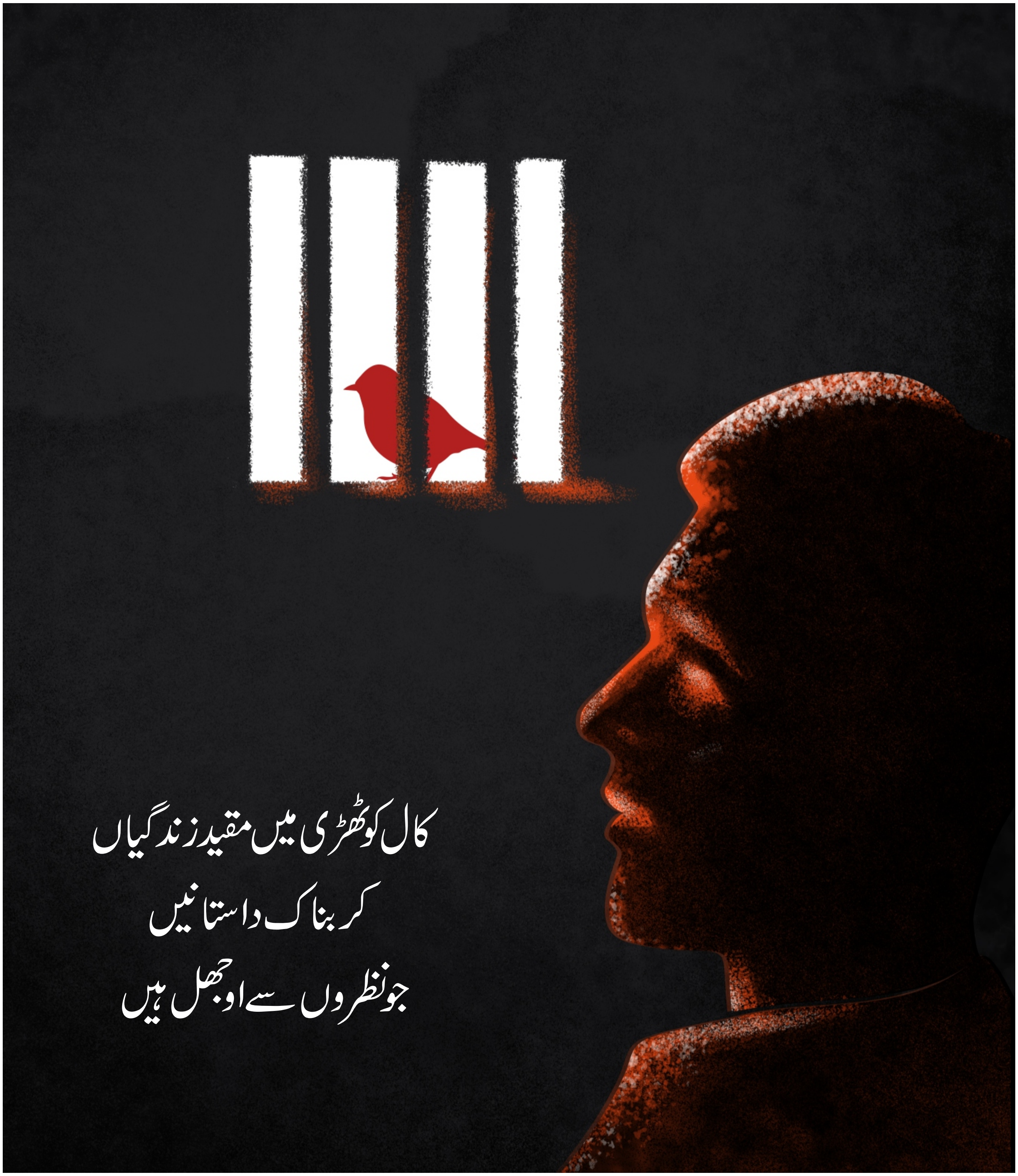

HRCP شکایات سیل

اینچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص شعبہ موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم پولیس کی زیادتیوں،خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں،جبری تبدیلی مذہب،جبری گمشدگیوں،سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار: جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کردیتے ہیں۔اس کے علاوہ،ہمارا مندرجہ ذیل اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

پنجاب

- اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل آف پولیس برائے
- انسانی حقوق سیل،پنجاب
- انسپکٹر جنرل آف پولیس،پنجاب
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق،لاہور (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر،پنجاب
- پنجاب کمیشن برائے حقوق نسواں
- پنجاب ویمن پروٹیکشن اتھارٹی
- شہید بے نظیر بھٹو انسانی حقوق مرکز برائے خواتین،بہاولپور
- متاثرین کی معاونت کا مرکز،لاہور
- ویمن،ہیلپ ڈیسکس (پنجاب پولیس) ملتان
- پنجاب پولیس کے ضلعی ویمن ڈیسک،ملتان
- خواتین کے خلاف تشدد سے متعلق مرکز، ملتان

سندھ

- اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل آف پولیس،سندھ
- ڈائریکٹر چائلڈ پروٹیکشن بیورو،کراچی
- ڈپٹی سپرینٹنڈنٹ آف پولیس برائے انتظامی امور،حیدرآباد
- ڈپٹی سپرینٹنڈنٹ آف پولیس برائے انسانی حقوق سیل،سندھ
- محکمہ انسانی حقوق،حکومت سندھ
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق،کراچی (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی محتسب کا دفتر،سندھ
- پولیس سہولت مرکز،حیدرآباد
- سینیئر سپرینٹنڈنٹ آف پولیس،حیدرآباد
- سندھ کمیشن برائے حقوق نسواں
- سندھ انسانی حقوق کمیشن

خواتین اور بچوں کے تحفظ کا مرکز،سندھ
ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ،حکومت سندھ
ویمنز پولیس اسٹیشن،حیدرآباد

بلوچستان

- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق،کوئٹہ (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر،بلوچستان
- ویمنز پولیس اسٹیشن،کوئٹہ
- ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ،بلوچستان

دارالحکومت اسلام آباد

- انسپکٹر جنرل آف پولیس،اسلام آباد
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق
- قومی کمیشن برائے حقوق نسواں

خیبر پختونخوا

- جینڈر ڈیسک،سوات
- انسپکٹر جنرل آف پولیس،خیبر پختونخوا
- خیبر پختونخوا چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر کمیشن
- خیبر پختونخوا کمیشن برائے حقوق نسواں
- خیبر پختونخوا ویمن کرائسز سینٹرز،مردان
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق،پشاور (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر،خیبر پختونخوا
- ویمنز پولیس اسٹیشن،سوات

گلگت بلتستان

- آغا خان مصالحتی وثالثی بورڈ،گلگت
- محکمہ سول انتظامیہ و پولیس،گلگت بلتستان
- محکمہ انسانی حقوق،گلگت بلتستان

خواتین اور بچوں کی پناہ گاہیں جہاں شکایات سیل کیسز کو ریفر کرتا ہے:

دستک چیریٹیبل ٹرسٹ،لاہور
خواتین کے خلاف ہراسانی کے محتسب کا دفتر،ملتان
پناہ شیلٹر ہوم،کراچی،ایدھی ہومز اینڈ ایدھی یتیم خانے،کراچی
بے نظیر شیلٹر ہوم،کوئٹہ،ایدھی ہوم،کوئٹہ،آبرو شیلٹر ہوم،کوئٹہ
نور ایجوکیشن ٹرسٹ شیلٹر،پشاور

شکایات سیل سائبر ہراسانی کے کیسز مندرجہ ذیل اداروں کو ریفر کرتا ہے:

بولو بھی،کراچی
ڈیجیٹیل رائٹس فاؤنڈ، لاہور
ایف آئی اے نیشنل ریسپانس سینٹر فار سائبر کرائم،کراچی
ایف آئی اے نیشنل ریسپانس سینٹر فار سائبر کرائم،پشاور

چند سنگین نوعیت کے معاملات میں ایچ آر سی پی ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم بھیجتا ہے تاکہ شکایت کی مزید چھان بین کی جا سکے۔جس کے بعد ہم اپنے مشاہدات کی بنیاد پر ایک بیان یا رپورٹ جاری کرتے ہیں ہم صرف انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں سے متعلق مشترکہ شکایات کی صورت میں قانونی معاونت فراہم کرتے ہیں

ریفرل کے دیگر روابط

اے جی ایچ ایس لیگل ایڈ سیل،لاہور سے تعلق رکھنے والی یا ان خواتین کے لئے جن کے (مقدمات لاہور کی عدالتوں میں زیر سماعت ہوں)
سوسائٹی فار اسپیشل پرسنز۔ملتان
دستگیر لیگل ایڈ فاؤنڈیشن،ملتان
پاکستان ہیومن ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن،ملتان
ڈاکٹر ایس ہارون احمد برائے نفسیاتی خدمات،کراچی
ڈیولائن فری کلینک برائے نفسیاتی خدمات،کراچی
لیگل ایڈ سوسائٹی،حیدرآباد،رسکنگ بیریئرز ویمن،کوئٹہ

ہم سے رابطہ کریں: آپ ہمیں کال کر سکتے ہیں،واٹس ایپ کر سکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور

طاہرہ حبیب/لاریب سعید
0333 200 6800 (طاہرہ حبیب)
0321 341 4884 (لاریب سعید)
042 3584 5969
042 3586 4994
ایوان جمہور،107 ٹیپو بلاک،نیو گارڈن ٹاؤن،لاہور
hrcp@hrcp-web.org
complaints@hrcp-web.org

کراچی

نداتنویر/عبدالحئی
0315 111 6287 (نداتنویر)
0333 3046674 (عبدالحئی)
021 3563 7131
021 3563 7132
یونٹ نمبر 08،فرسٹ فلور،اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (آئیلا کو ہاؤس)،عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی
karachi@hrcp-web.org

پشاور

اسماء خان
091 5844253
0331 9352097
اعظم چشتی روڈ،شیرازی کالونی،گلی نمبر 1،پیپل اسٹاپ،ریلوے روڈ،پواکا،پشاور
peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

سمیتا عالم
0313 5358995
051 8351127
آفس نمبر 1 بی،سیکنڈ فلور،بلاک ڈی-12 (نزد پی ایس او پمپ) جی-8 مرکز،اسلام آباد
islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

نائلہ رحیم
0306 294 6125
081 282 7869
فلیٹ نمبر سی-6،کبیر بلڈنگ،ایم اے جناح روڈ،کوئٹہ
quetta@hrcp-web.org

حیدرآباد

افشاں سمیتو
022 278 3688
022 272 0770
0310 339 2222
آفس نمبر 306،فائزہ آرکیڈ،صدر، حیدرآباد
hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

انیلہ اشرف
061 451 7217
0331 665 5529
مکان نمبر 24-اے،ابدالی کالونی، گلی مسجد ٹیناں والی،ڈیرہ اڈا،ملتان
multan@hrcp-web.org

گلگت

ظہیر اسراج
0344 5475553
0355 4541088
آفس نمبر 9-8،رنگ یل پلازہ، جماعت خانہ روڈ،ذوالفقار آباد جتیال،گلگت
gilgit@hrcp-web.org

تربت/مکران

وقار قیوم
0852 413365
0323 234 2406
پرواز ہاؤس،پسنی روڈ،تربت،کیچ
ghaniparwaz@hotmail.com

اِنسانی حقوق کے دفاع کار کٹھن ترین حالات میں بھی اُمید کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں

ایچ آر سی پی کی اے جی ایم کا انعقاد 30 اکتوبر کو لاہور میں ہوا۔ یہ ہماری تنظیم کی چھتیسویں اے جی ایم تھی۔ ٹرینوں کے اوقات میں گڑبڑ ہونے کے سبب شہروں کے درمیان ٹرانسپورٹ کے مسائل پیدا ہوئے مگر اس کے ہمارے کئی ساتھیوں نے ہمت کر کے اجلاس میں شرکت یقینی بنائی۔

اے جی ایم کی ایک نمایاں سرگرمی صلاح الدین صدیقی صاحب کو دیا جانے والا شاباش سرٹیفکیٹ ہے۔ وہ سندھ میں سیلاب سے بے گھر ہونے والے لوگوں کے لیے رضاکارانہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ایچ آر سی پی کے لیے یہ امر باعثِ فخر ہے کہ اس کی صفوں میں صلاح الدین جیسے انسانی حقوق کے دفاع کار موجود ہیں۔

جنرل باڈی نے اِس وقت ملک کو درپیش سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل اور اِس فضا میں انسانی حقوق پر پڑنے والے منفی اثرات پر گفتگو کی۔ سیلاب سے متاثر لوگوں کی بحالی نو میں سست روی پر تحفظات کا اظہار کیا گیا اور اور یہ بھی کہا گیا کہ بے گھر لوگوں کی دوبارہ آبادکاری کے لیے ایسے مقامات منتخب کیے جائیں اور اس طرز کے گھر تعمیرات کیے جائیں جو موسمیاتی تبدیلی کا بہتر مقابلہ کرسکیں۔

عرصہ دراز سے تاخیر سے دوچار زرعی اصلاحات کے معاملے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔ ایچ آر سی پی کی جنرل باڈی نے زور دے کر کہا کہ غربت کے خاتمے اور خوراک و مکان تک مساوی رسائی جیسے حقوق کی فراہمی کے لیے زرعی اصلاحات ناگزیر ہیں۔ سیلاب سے متاثرہ آبادی کی دوبارہ آبادکاری کا پائیدار و شفاف منصوبہ بھی اراضی کی منصفانہ تقسیم سے جُڑا ہوا ہے، خاص طور پر سندھ اور جنوبی پنجاب میں۔

اِن خدشات کا اظہار کیا گیا کہ موجودہ سیاسی کشیدگی نہ صرف جمہوریت کو نقصان پہنچا رہی ہے بلکہ یہ منفی اور خطرناک مقبول عام رجحانات کو ہوا دے رہی ہے۔ سیاسی عدم برداشت نے جمہوری اداروں کو غیر فعال کر دیا ہے، مذہبی انتہا پسندی بڑھ رہی ہے۔ سوات کے عوام چلّا چلّا کر کہہ رہے ہیں کہ سوات اور اس کے گردونواح میں مذہبی شدت پسندوں کو دوبارہ اکٹھا ہونے سے روکنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ جنرل باڈی احمدی برادری کے ساتھ امتیازی سلوک اور تشدد پر فکرمند ہے، اس برادری پر مظالم ڈھانے والے مجرموں کو محاسبے سے استثنیٰ کی مذمت کرتی ہے اور ریاست کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔

کوئی بھی فرد اِس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ جمہوری نظام کے استحکام کے لیے شہریوں کی مساوی حیثیت اور تمام افراد کے اظہار، اجتماع اور انجمن سازی کی آزادی کے حق کا تحفظ ضروری ہے۔ انسانی حقوق کے دفاع کار خود کو درپیش تمام مشکلات اور اپنی ذات کو لاحق خطرات کے باوجود، حقوق کی حفاظت کے لیے بہتر فضا پیدا کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ موجودہ حالات منفی رجحانات کی روک تھام کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ ہم تبدیلی لانے کے لیے کی جانے والی اپنی جدوجہد سے امید کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔

(حنا جیلانی) چیئر پرسن، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

فہرست

اِنسانی حقوق کے دفاع کار کٹھن ترین حالات میں بھی اُمید کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں	03
پریس ریلیزیں	04
23 سال کال کوٹھڑی میں سزائے موت کے قیدی محمد انور کی کہانی	06
سزائے موت کے قانون کے خلاف عالمی دن	09
پاکستان میں سزائے موت کے قانون کا خاتمہ ممکن ہے؟	10
آفات اور جنس کا بازار	12
پشاور میں خواجہ سراؤں پر حملہ	14
ایچ آر سی پی کی میڈیا مانیٹرنگ سے متعلق تجزیاتی رپورٹ (جولائی تا ستمبر 2022)	16
توہین مذہب کے نام پر معذوری سے متاثر نوجوان کا قتل	18
کوئٹہ میں جعلی مقابلوں کے خلاف احتجاجی مظاہرہ	19

ریاست سیلاب متاثرین کی آبادکاری کے لیے فوری اقدامات کرے

اپنے چھتیسویں سالانہ عمومی اجلاس (اے جی ایم) کے اختتام پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جنرل باڈی نے وفاقی وصوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ حالیہ سیلاب میں اپنے گھروں اور ذرائع روزگار سے محروم ہونے والے لاکھوں افراد کی آبادکاری کے لیے اپنی کوششوں میں تیزی لائیں۔ بلاشبہ، تباہی کا پیمانہ غیرمعمولی ہے، لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بے گھر ہونے والوں کے لیے اِس قسم کے گھروں کی تعمیرات پر فوری توجہ دی جائے جو موسمیاتی تبدیلی کے اثرات کا مقابلہ کرسکیں۔

ایچ آر سی پی نے زرعی اصلاحات کے مطالبے کا اعادہ کیا ہے کیونکہ یہ اصلاحات نہ صرف غربت میں کمی لانے اورخوراک ومکان تک مساوی رسائی جیسے حقوق کے حصول کے لیے ضروری ہیں، بلکہ سیلاب سے متاثر لوگوں کی دوبارہ آبادکاری کے لیے بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ پاکستان کو موسمیاتی ہرجانے طلب کرنے کا پورا حق حاصل ہے، مگر اسے اپنی داخلی پالیسیوں پر بھی نظر دوڑانی ہوگی اور ایک ایسی حکمتِ عملی وضع کرنا ہوگی جس سے ملک کے انتہائی غیرمحفوظ طبقے موسمیاتی انصاف پا سکیں اور معاشی بحران کے دوران تمام لوگوں کے حقِ خوراک، مکان اور صحت کی حفاظت یقینی ہوسکے۔

ایچ آر سی پی نے ملک میں جاری سیاسی کشیدگی پر تشویش کا اظہار بھی کیا اور سرکار وحزب اختلاف، دونوں کو باور کرایا ہے کہ یہ طرزِ عمل نہ صرف پاکستان کی جمہوریت کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ لوگوں کے بنیادی حقوق اور آزادیوں پر بھی اثرانداز ہورہا ہے۔

جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت ہلاکتوں میں ملوث مجرموں کا محاسبہ نہ ہونا تشویش کا باعث ہے۔ ایچ آر سی پی نے یاد دہانی کرواتے ہوئے کہا کہ اِس کے اپنے ایک رکن، لالہ فہیم بلوچ کو کراچی سے لاپتہ ہوئے دو ماہ بیت چکے ہیں، اور اُن کی بحفاظت بازیابی کا مطالبہ کیا۔

ایچ آر سی پی کو بلوائی تشدد میں اضافے پر تشویش ہے۔ حال ہی میں مشتعل ہجوم نے کراچی میں دو افراد کو مار مار کر ہلاک کر دیا محض اِس بے بنیاد شبہ پر کہ وہ اغواء کار تھے۔ اگرچہ یہ وقوعہ سماج میں بڑھتی ہوئی بربریت کی نشاندہی کرتا ہے، مگر اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کی فراہمی کے حوالے سے لوگوں کا ریاست پر اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ ریاست کو سوات کے باشندوں کے مطالبات پر بھی کان دھرنا ہوں گے، جو طویل عرصہ سے شدت پسندی میں اضافے سے خبردار کر رہے ہیں، اور اُنہیں انتہاپسندی سے پھوٹنے والے تشدد کے رحم کرم پر بیارومددگار نہیں چھوڑا جا سکتا۔

احمدیہ برادری پر دانستہ اور بتدریج بہیمانہ ظلم وستم، جس کی حالیہ مثال نکاح نامے میں عقیدے کا لازمی اظہار ہے، باعثِ تشویش ہے۔ ایچ آر سی پی کا ریاست سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ سندھ میں شیڈول ذاتوں کو حکومت میں مناسب نمائندگی دی جائے اور اُنہیں ہر قسم کے امتیازی سلوک سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ خواجہ سراء افراد (حقوق کا تحفظ) ایکٹ 2018 کے خلاف مذموم مہم ختم ہونی چاہیے اور صوبائی حکومتوں کو بھی خواجہ سراؤں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قانون سازی کرنا ہوگی۔

افغان مہاجرین کے حوالے سے ریاست ایسی حکمت عملی اختیار کرے جو پاکستان میں اُن کے پناہ لینے اور ملک میں بطورِ مہاجرین باعزت زندگی بسر کرنے کا حق تسلیم کرے، جبکہ اِس کے ساتھ ساتھ می؟ زبان برادریوں کے سیاسی ومعاشی حقوق کی حفاظت بھی کرے۔ اس کے علاوہ، ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ معذوریوں سے متاثرہ افراد کو تمام سرکاری اداروں تک رسائی دی جائے۔ ایچ آر سی پی یہ بھی ضروری سمجھتا ہے کہ تمام عدالتی تقرریاں لسانیت، عقیدے یا صنف کے امتیاز سے بالاتر ہوکر میرٹ کی بنیاد پر کی جائیں۔

جمہوری نظام کے استحکام کے لیے تمام افراد کے اظہار، اجتماع اور انجمن سازی کے حق کو تحفظ دینا ناگزیر ہے۔ ایچ آر سی پی عاصمہ جہانگیر کانفرنس کے دوران تقریر پر منظور پشتین کے خلاف مقدمے کے اندراج کی ایک مرتبہ پھر مذمت کرتا ہے۔ کمیشن کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ تمام شہریوں کے پرامن احتجاج کے حق کی حفاظت یقینی بنائے۔ اس کے علاوہ، ایچ آر سی پی کے لیے یہ تشویش ہے کہ ریاست قواعدوضوابط کی آڑ میں این جی اوز اور سول سوسائٹی تنظیموں کی سرگرمیوں میں غیرضروری مداخلتوں کا مظاہرہ کر رہی ہے، اور یہ حقیقت ملحوظِ خاطر رہے کہ اِن میں سے بیشتر تنظیمیں ایسے شعبوں میں خدمات انجام دے رہی ہیں جنہیں ریاست نے نظرانداز کر رکھا ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 04 اکتوبر 2022]

پشاور میں خواجہ سراؤں پر حملہ ذاتی تنازعے کا نتیجہ تھا

پاکستان برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن نے 11 ستمبر 2022 کو پشاور میں چار خواجہ سراؤں پر ہونے والے حملے کی تحقیقات کیں اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حملے کی وجہ ذاتی تنازعہ تھا۔ حملے کا پس منظر یہ تھا کہ متاثرین میں سے ایک نے ملزم کو اپنی ٹیم کے ایک جونیئر رکن کے ساتھ جسمانی تعلق استوار کرنے کی اجازت دینے سے انکار کیا تھا۔

11 ستمبر کو چار خواجہ سراؤں اور ایک شخص اُس وقت شدید زخمی ہوئے تھے جب ملزم نے اُن کی گاڑی کو فائرنگ کا نشانہ بنایا تھا۔ وہ ایک شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے جہاں اُنہوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا تھا۔ ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ خیبر پختونخوا (کے پی) میں خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے تناظر میں وقوعے کی تحقیقات لازم ہے۔

پولیس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملزمان کو جلد از جلد گرفتار کرے اور قانون کے مطابق کارروائی کرے۔ البتہ عام طور پر خواجہ سرا برادری کے خلاف پولیس کے متعصّبانہ رویے کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ پولیس اہلکاروں کو صنفی حساسیت کی فوری اور مؤثر تربیت دی جائے۔ اس کے علاوہ خواجہ سراؤں سے بھتہ وصول کرنے والے پولیس اہلکاروں کو اُن کے کیے کی سزا دی جائے۔

ایچ آر سی پی یہ سفارش بھی کرتا ہے کہ کے پی کی صوبائی کابینہ خواجہ سراؤں کی فلاح وبہبود کے لیے قانون منظور کرے، خاص طور پر خواجہ سراء (حقوق کا تحفظ) ایکٹ 2018 کے خلاف مذہبی، سیاسی جماعتوں کی منظوم گمراہ کن مہم کے تناظر میں اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

مزید براں، کے پی میں بچوں کے تحفظ و بہبود کے کمیشن کو چاہیے کہ وہ 18 برس سے کم عمر خواجہ سراء افراد کے اندراج کا عمل شروع کرے۔

مفصّل رپورٹ درج ذیل لنک پر دستیاب ہے۔
https://hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2020/09/2022-Attack-on-transgender-persons-in-Peshawar.pdf

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 06 اکتوبر 2022]

وکیل اسامہ خاور گھمن کو آئی اے رحمان ریسرچ گرانٹ 2022 سے نوازا گیا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ آئی اے رحمان ریسرچ گرانٹ 2022 کے لیے اسامہ خاور گھمن کا انتخاب کیا گیا ہے۔ گھمن صاحب جو پیشے کے اعتبار سے وکیل ہیں، پنجاب میں پتھر توڑنے والی فیکٹریوں میں مزدوروں کی پیشہ ورانہ صحت اور حفاظت کے معاملات پر تحقیق کریں گے۔ وہ خاص طور پر، مزدوروں کا سلیکوسس (پھیپھڑوں کی ایک دائمی بیماری) سے دوچار ہونے کے خطرات کا جائزہ لیں گے۔ ایچ آر سی پی ان کی تحقیق کے نتائج شائع کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف سطحوں پر تقسیم کرے گا۔

نامور صحافی اور ایچ آر سی پی کے سابق سیکرٹری جنرل مرحوم آئی اے رحمان کے اعزاز میں متعارف کی گئی اس گرانٹ کا مقصد پاکستان میں انسانی حقوق کے مختلف شعبوں میں کی جانے والی تحقیق میں مدد فراہم کرنا ہے۔ اس سال کا موضوع 'مزدوروں کے حقوق' تھا۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس سے رحمان صاحب کو خاص لگاؤ تھا۔ گھمن صاحب کو سینئر ماہرینِ تعلیم اور انسانی حقوق کے دفاع کاروں کی ایک خودمختار کمیٹی نے منتخب کیا ہے، جس میں تجربہ کار کارکن نسرین اظہر، مزدوروں کے حقوق کی محقق زینیہ شوکت، اور مزدوروں کے معاملات پر وسیع علم رکھنے والی ماہرِ معیشت ڈاکٹر عالیہ خان شامل ہیں۔

کمیٹی نے موصول ہونے والی درخواستوں کی وسعت اور گہرائی کی تعریف کی، اور کہا کہ اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ امیدواروں میں سے گھمن صاحب کا انتخاب انتہائی مشکل کام تھا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 04 اکتوبر 2022]

ایچ آر سی پی کو جبری گمشدگیوں کے مسودہ بل پر تحفظات ہیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے حال ہی میں منظور ہونے والے فوجداری قوانین (ترمیمی) بل 2022 پر تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ یہ ترمیم جبری گمشدگی کے جرم کو تسلیم کرتی ہے اور اسے ایک ایسا عمل قرار دیتی ہے جس کے ذریعے ریاست کا کوئی کارندہ (کسی فرد/افراد کو اُن کی) آزادی سے 'غیر قانونی طور پر محروم' کر دے مگر یہ ترمیم اِن ریاستی کارندوں پر سویلین نگرانی کی پہنچ میں لانے کے لیے نئے قانونی ڈھانچے کی ضرورت پوری نہیں کرتی۔ جبری گمشدگیوں پر قابو پانے کے لیے مؤثر قانون میں اِس طرح کی دفعہ کا ہونا ضروری ہے، خاص طور پر ایسے ہزاروں الزامات اور شہادتوں کے تناظر میں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عمل کی ذمہ داری ریاستی ایجنسیوں پر عائد ہوتی ہے

ریاستی ایجنسیوں جیسے کہ آئی ایس آئی کے دائرہ اختیار کے تعین کے لیے بھی قانون سازی ضروری ہے۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ اس ایجنسی نے اعلیٰ عدالتوں میں دعویٰ کیا تھا کہ اسے 'ریاست مخالف سرگرمیوں' میں ملوث لوگوں کو گرفتار کرنے کا 'قانونی' اختیار ہے۔ اس کے علاوہ، مسودہ قانون متاثرین اور اُن کے اہلِ خانہ کو معاوضے کی ادائیگی کے معاملے کا احاطہ نہیں کرتا اور نہ ہی یہ مجرموں کی جوابدہی کے مسئلے کا حل پیش کرتا ہے۔

جبری گمشدگیوں کو ایک الگ قانون کے طور پر لیا جائے۔ اس رجحان کی روک تھام کے لیے ہونے والی قانون سازی میں یہ ضمانت دی جائے کہ جس کسی کو بھی ان کی آزادی سے محروم کیا جائے گا انہیں قانونی طور پر قائم حراستی مرکز میں رکھا جائے گا اور متاثرین، ان کے اہلِ خانہ اور گواہان کو انتقامی کارروائیوں سے تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ پاکستان کو جبری گمشدگیوں سے تمام افراد کی حفاظت کے عالمی میثاق پر دستخط اور توثیق بھی کرنی ہوگی۔

ایچ آر سی پی یہ بھی سمجھتا ہے کہ ایسے قوانین تبدیل کیے جائیں جو فوج کو سویلین افراد کی تحقیقات اور ٹرائل کرنے کا اختیار تفویض کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کے دفاع کار ادریس خٹک جنہیں آٹھ ماہ تک لاپتہ رکھا گیا اور پھر سیکیورٹی ایجنسیوں نے اُن کی حراست تسلیم کی، کو آرمی ایکٹ 1952 کے تحت سزا ملنا محض اتفاق نہیں ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 25 اکتوبر 2022]

جہدِ حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدِ حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہدِ حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:
www.hrcp-web.org

کریم الاسلام

23 سال کال کوٹھڑی میں

سزائے موت کے قیدی محمد انور کی کہانی جو تختہ دار تک پہنچنے کے بعد رہا ہوئے

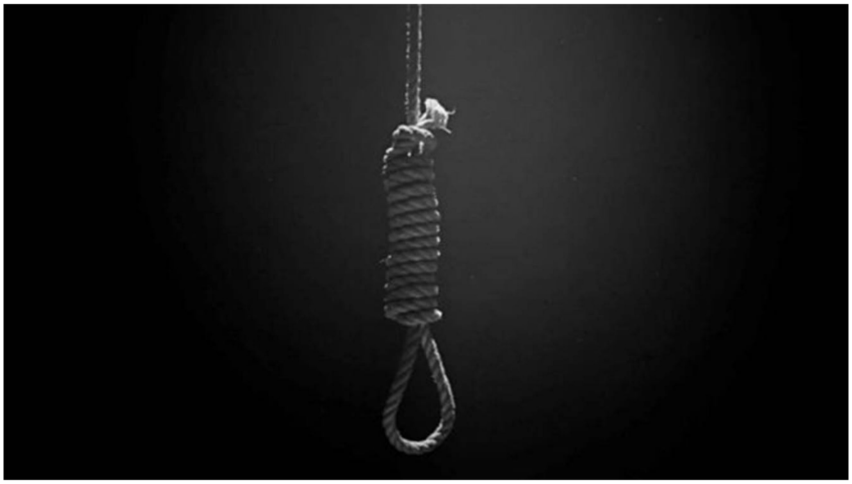

یہ ڈسٹرکٹ جیل وہاڑی کی موت کی کال کوٹھڑی ہے۔ چھ بائی آٹھ فٹ کے اِس سیل میں قتل کے مجرم چوہدری محمد انور کو قیدِ تنہائی میں رکھا گیا ہے۔

یہ انور کی زندگی کا آخری دن ہونا تھا۔ چند گھنٹوں بعد اُنھیں پھانسی دے دی جائے گی۔ اُن کی اپنے اہلخانہ سے آخری ملاقات ہو چکی ہے۔ جیل ڈاکٹر پھانسی کے پھندے کی تیاری کے لیے چوہدری محمد انور کے گلے اور قد کا ناپ لے چکے ہیں۔

زندگی کے آخری مراحل میں ان کی آنکھوں کے سامنے تمام زندگی ایک فلم کی طرح چل رہی ہے۔ ایسے میں جیل عملے کا ایک رکن کوٹھری کے باہر آیا تو انھیں لگا کہ اب پھانسی کا وقت آن پہنچا ہے۔ لیکن انھیں بتایا گیا کہ ہائی کورٹ میں دائر اُن کی اپیل سماعت کے لیے منظور کر لی گئی ہے۔

انور کی پھانسی روک دی جاتی ہے۔

ٹھیک چھ سال بعد پاکستان کی سپریم کورٹ محمد انور کی رہائی کا حکم جاری کرتی ہے اور وہ 28 سال سلاخوں کے پیچھے گزارنے کے بعد جیل سے باہر آ جاتے ہیں۔

یہ انور کی زندگی کی کہانی ہے۔

بچپن میں قتل

یہ سنہ 1993 کی بات ہے۔ ضلع وہاڑی کی تحصیل بورے والا کے نوجوان محمد انور نویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ اُن کے والد زمیندار تھے اور انور سکول کے بعد کھیتوں میں والد کی مدد کیا کرتے تھے۔ انور کے بڑے بھائی کی گاؤں کے کچھ لوگوں سے ذاتی دشمنی تھی، جس کی لپیٹ میں وہ بھی آ گئے۔

انور بتاتے ہیں کہ ’یہ چوہدراہٹ کا معاملہ تھا۔ وہ لوگ خود کو چوہدری سمجھتے تھے اور میرا بھائی بھی اپنے آپ کو چوہدری سمجھتا تھا۔ پھر ایک دن وہ لوگ میرے بھائی کو مارنے کے لیے گھر تک آ گئے۔ جب میں نے یہ صورتحال دیکھی تو خوفزدہ ہو گیا۔ بوکھلاہٹ میں اندر گیا اور اُسی بھائی کا پستول لا کر گھر کے اندر سے فائرنگ کر دی۔‘

اِس فائرنگ کے نتیجے میں دو لوگ زخمی ہو گئے جن میں سے ایک 28 دن بعد ہلاک ہو گیا۔ محمد انور کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک غیر ارادی قتل تھا جو اپنے دفاع میں کیا گیا۔ ایک انسانی جان کے ضیاع پر وہ آج بھی نادم ہیں اور قتل ہونے والے شخص کے خاندان سے معافی کے طلبگار ہیں۔

موت کی کال کوٹھری

فائرنگ کے واقعے کے بعد محمد انور کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُن کی زندگی ہمیشہ کے لیے بدل گئی اور نہ ختم ہونے والی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ سالہا سال پیشیاں بھگتنے کے بعد سنہ 1998 میں سیشن جج نے اُنھیں سزائے موت سُنا دی۔

’مجھے سینٹرل جیل ملتان کی موت کی کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ وہاں اور بھی قیدی تھے چار چار پانچ پانچ قیدی ایک سیل میں ہوتے تھے۔ یہ چھ بائی آٹھ فٹ کا کمرا تھا وہیں ہمیں کھانا ملتا تھا اور وہیں ٹوائلٹ کا انتظام بھی تھا۔‘

انور کے بقول سزائے موت کے قیدیوں کی حالتِ زار کا اندازہ لگانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اِن قیدیوں کے سر پر ہر وقت موت کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔

’آدمی قتل تو ایک بار کر بیٹھتا ہے لیکن اس کوٹھری میں روز مرتا ہے۔ میں ہر وقت سوچتا رہتا تھا کہ میرا کیا بنے گا۔ گھر والوں کا خیال آتا تھا کہ میرے بعد اُن کا کیا ہو گا۔ کبھی کبھی ساری ساری رات نیند نہیں آتی تھی۔ اِن حالات میں کچھ قیدی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ بندہ سوچتا تو ہے کہ کسی طرح یہاں سے نکل جائے لیکن وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔‘

پاکستان میں سزائے موت

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق دنیا کے 108 ممالک میں سزائے موت پر مکمل پابندی ہے جبکہ 28 ممالک میں موت کی سزا تو موجود ہے لیکن اُس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ صرف 55 ممالک ایسے ہیں جہاں موت کی سزا دی جاتی ہے۔

دنیا بھر میں سماجی تنظیمیں سزائے موت کی مخالف ہیں اور اِسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتی ہیں۔

پاکستان میں سنہ 2008 سے 2014 تک موت کی سزا پر پابندی عائد تھی۔ پاکستانی قانون میں 33 ایسے جرائم ہیں، جن میں سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ لیکن قانونی ماہرین کے مطابق اِن میں سے صرف چند ہی جرائم ایسے ہیں جن میں عدالتیں موت کی سزا دیتی ہیں مثلاً قتل یا توہینِ مذہب۔

سماجی تنظیم جسٹس پراجیکٹ پاکستان (جے پی پی) سے وابستہ وکیل ثنا فرخ سمجھتی ہیں کہ قوانین میں ترمیم کر کے سزائے موت کے حقدار جرائم کی تعداد کم کی جانی چاہیے۔

’اِس طرح پاکستان میں سزائے موت کو آہستہ آہستہ ختم کیا جا سکے گا۔ اِس کے علاوہ اگر قوانین پر مکمل عمل کیا جائے اور منصفانہ نظامِ عدل قائم کیا جائے تو اکثر کیسز میں نوبت سزائے موت تک نہیں جائے گی۔ پاکستان میں سزائے موت

پاکستان میں سنہ 2008 سے 2014 تک موت کی سزا پر پابندی عائد تھی۔ پاکستانی قانون میں 33 ایسے جرائم ہیں، جن میں سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ لیکن قانونی ماہرین کے مطابق اِن میں سے صرف چند ہی جرائم ایسے ہیں جن میں عدالتیں موت کی سزا دیتی ہیں مثلاً قتل یا توہینِ مذہب۔

کے بعد ایک مرحلہ صدرِ مملکت سے معافی کا بھی ہوتا ہے۔ تو اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں کتنے حفاظتی مراحل موجود ہیں۔'

جیل کی دنیا

چوہدری محمد انور گزرے دنوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ جیل ایک الگ ہی دنیا ہے۔ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہر وقت قانون حرکت میں رہتا ہے۔ اگر قیدی سو بھی رہا ہے تو وہ قانون کا پابند ہے۔

'دن کا آغاز نماز سے ہوتا تھا۔ پھر ہم ناشتہ کرتے اور ایک گھنٹہ ٹہلائی (ٹہلنے) کے لیے باہر جاتے تھے۔ پھر دوپہر کا کھانا کھایا جاتا اور شام میں ہمیں ایک گھنٹے کے لیے دوبارہ ٹہلائی کروائی جاتی۔ جب وقت ملتا تو کال کوٹھری کے قیدی ایک دوسرے سے باتیں کرتے اور اپنے دکھ درد بانٹتے۔ کچھ لوگ تلاوت اور عبادات میں وقت گزارتے۔'

انور کے بقول سزائے موت کے سیل میں قید لوگ بظاہر تو نارمل رہنے کی کوشش کرتے تھے لیکن ذہنی طور پر ہر وقت پریشان رہتے تھے۔ کبھی کسی کو گھر کی یاد آ گئی تو کبھی گھر والوں کی۔ سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا تھا جب ایک ساتھی کو پھانسی دینے کے لیے لے جایا جاتا تھا۔

'اُس وقت دوسرے قیدیوں کی حالت غیر ہوتی ہے۔ وہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ کل ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔ پھر وہ اتنی ٹینشن میں آجاتے ہیں کہ دو دو دن کھانا نہیں کھاتے۔ قید کے دوران میرے کئی دوست پھانسی چڑھ گئے۔ مجھے آج بھی اُن کی یاد آتی ہے۔'

جیل میں شاعری

محمد انور کو شاعری کا شوق تو جیل جانے سے پہلے ہی تھا لیکن قید میں وقت ملا تو وہ خود بھی شعر کہنے لگے اور ثروت تخلص اختیار کیا۔ شاکر شجاع آبادی اُن کے پسندیدہ شاعر ہیں۔

'میں نے ہر موضوع پر شعر کہے۔ نعتیہ اشعار لکھے اور رومانوی شاعری بھی کی۔ جیل میں کی گئی شاعری کا تمام ریکارڈ میرے پاس اب بھی محفوظ ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اپنی نظموں اور غزلوں کو ایک شعری مجموعے کی شکل میں شائع کرواؤں۔'

قید کے دوران شاعری کے ساتھ ساتھ انور نے مختلف اخباروں میں کالم بھی لکھے۔ اُن کا مؤقف تھا کہ سزائے موت کو ختم کر دینا چاہیے کیونکہ یہ ناانصافی پر مبنی سزا ہے۔

بچوں کی سزائے موت پر پابندی

اقوامِ متحدہ کے بچوں کے حقوق سے متعلق کنونشن کے مطابق 18 برس سے کم عمر بچوں کو سزائے موت اور عمر قید نہیں دی جا سکتی۔ پاکستان نے سنہ 1990 میں اِس معاہدے کی توثیق کی جس کے بعد ملک میں 'جوینائل جسٹس سسٹم

آرڈیننس' پر پیش رفت ہوئی۔

سنہ 2000 میں اِس قانون کا اطلاق کیا گیا جس کے تحت جرم کے ارتکاب کے وقت نابالغ ملزمان کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اِس کے بعد سنہ 2001 میں صدارتی حکم نامے کے ذریعے آرڈیننس کے اطلاق سے پہلے سزائے موت پانے والے نابالغ افراد کی سزا کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ اِس کے باوجود کئی نابالغ مجرمان سنہ 2001 کے صدارتی حکم نامے کے بعد بھی سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی فہرست میں موجود رہے۔ کئی عمر قید کی مدت پوری ہونے کے باوجود سالہا سال جیلوں میں رہے اور بہت بعد میں سماجی تنظیموں کی کوششوں سے رہا ہوئے۔

اِس وقت پاکستان کی مختلف جیلوں میں 3831 قیدی موت کی سزا کے منتظر ہیں۔ جسٹس پراجیکٹ پاکستان (جے پی پی) کے مطابق سزائے موت کے منتظر اِن قیدیوں میں سے کم از کم ایک شخص ایسا ہے جو جرم کے وقت نابالغ تھا۔

کراچی سینٹرل جیل میں قید محمد اعظم پر سنہ 1998 میں 17 سال کی عمر میں ایک شخص کے قتل کا الزام ہے۔ اُنھیں انسدادِ دہشت گردی کی عدالت نے 1998 میں سزائے موت سُنائی۔ اِس وقت اُن کی درخواست سپریم کورٹ آف پاکستان میں زیرِ سماعت ہے۔ لیکن قانونی ماہرین کے مطابق جیلوں میں قید نابالغ مجرمان کی تعداد کہیں زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ پاکستان کے کئی علاقوں میں اب بھی بچوں کی پیدائش کا اندراج نہیں کروایا جاتا۔

زندگی کی آخری رات

سنہ 2001 میں لاہور ہائی کورٹ نے چوہدری محمد انور کی اپیل خارج کر دی۔ 'جوینائل جسٹس سسٹم آرڈیننس' کے نفاذ کے بعد اُنھوں نے سپریم کورٹ کا رُخ کیا جہاں اُنھیں ماتحت عدالت سے رجوع کرنے کا کہا گیا۔

اِسی دوران سنہ 2015 میں محمد انور کے ڈیتھ وارنٹ جاری ہو گئے۔ اُن کی اہلخانہ سے آخری ملاقات کرا دی گئی اور

محمد انور کا بچپن

قیدِ تنہائی میں منتقل کر دیا گیا۔ انور کو وہ رات آج بھی یاد ہے۔

'وہ میری زندگی کی آخری رات تھی۔ صبح مجھے پھانسی دے دی جانی تھی۔ جیل ڈاکٹر نے میرا ناپ لے لیا تھا۔ گلے اور قد کی پیمائش تاکہ اُس کے مطابق پھانسی کا رسّہ تیار کیا جا سکے۔ سب سے مشکل وقت جو تھا وہ تھی آخری ملاقات۔ جب میرے اپنے میری آخری ملاقات کے لیے آئے، وہ قیامت خیز منظر تھا۔ میں اُنھیں آخری بار دیکھ رہا تھا وہ مجھے آخری بار دیکھ رہے تھے۔ کہ شاید صبح ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ یہ بہت مشکل وقت تھا۔'

آخری ملاقات کے دوران ہی محمد انور کے بھائی نے اُنھیں بتایا کہ وہ اُن کی زندگی بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اور انسانی حقوق کی تنظیم 'جسٹس پراجیکٹ پاکستان' کی مدد سے حکمِ امتناعی کی کوشش کر رہے ہیں۔ بالآخر یہ کوششیں رنگ لائیں اور رات ساڑھے دس بجے عدالت نے سزا پر عملدرآمد روک دیا۔

اِس آخری رات کے بارے میں بعد میں انور نے جیل ہی میں یہ شعر کہے۔

کوئی لختِ جگر ماں کا کسی کی آنکھ کا تارا
یہ دنیا چھوڑنے کو ہے کسی کو جان سے پیارا
ہاتھوں میں ہیں ہتھکڑیاں اور چاروں طرف پہرہ ہے
کہ تختۂ دار پر چڑھنا مقدر اُس کا ٹھہرا ہے

سزائے موت جرائم کا خاتمہ؟

قانونی ماہرین کے مطابق اعداد وشمار سے واضح ہے کہ سزائے موت سے جرائم کی شرح میں کمی نہیں آتی۔ترقی یافتہ اور مہذب معاشروں میں سزا سے زیادہ قیدیوں کی بحالی اور اُن کے معاشرے میں انضمام پر توجہ دی جاتی ہے۔

وکیل اور سماجی کارکن ثنا فرخ کے مطابق 'ہمارے یہاں اکثر کسی بڑے سانحے کے بعد رائے عامہ میں مجرموں کے لیے موت کی سزا کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد ملوث افراد کو پھانسی دے دی جاتی ہے اور عوامی دباؤ کم ہو جاتا ہے۔لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف موت کی سزا جرائم کا خاتمہ نہیں کرسکتی۔ جرائم کے اسباب کا سراغ لگا کر اُنھیں جڑ سے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔'

ثنا فرخ بتاتی ہیں کہ 'اِس کے علاوہ سزائے موت کے قیدیوں کے کئی قانونی اور سماجی مسائل بھی ہیں۔'

مثلاً جیلوں میں دیگر قیدی کُھلی بیرکس میں قدرے آزادانہ انداز میں رہتے ہیں لیکن سزائے موت کے قیدی چھوٹی کوٹھریوں میں اکھٹے بند ہوتے ہیں۔ پھر اِن لوگوں کا باہر کی دنیا بشمول وکلا اور گھر والوں سے رابطہ دیگر قیدیوں کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔سزائے موت کے قیدیوں میں نفسیاتی مسائل بھی زیادہ ہوتے ہیں۔'

ثنا کہتی ہیں کہ 'سزائے موت کے اکثر مقدموں میں کم از کم دس سال کے بعد کیس ہائی کورٹ تک پہنچ پاتا ہے، جس کے بعد بھی قانونی جنگ چلتی رہتی ہے۔تو ایک طرح سے قیدی عمر قید کاٹ چکا ہوتا ہے تب کہیں جا کر اُسے موت کی سزا دی جاتی ہے اور پھر سزا پر عملدر آمد میں بھی وقت لگتا ہے۔ اِس طرح ہمارے عدالتی نظام میں کئی ایسی چیزیں ہیں، جنھیں بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔'

انصاف میں دیر

چوہدری محمد انور نے اپنی موت کی سزا پر حکمِ امتناعی کا سُنا تو اُنھیں ایسا لگا کہ بس تھوڑی مہلت مل گئی ہے اور زندگی چند دن اور بڑھ گئی۔لیکن پھر معاملہ سپریم کورٹ تک گیا اور گذشتہ سال اُنھیں رہائی مل گئی۔ انور کو شکایت ہے تو صرف یہ کہ اُنھیں انصاف دیر سے ملا۔

'میں سنہ 2001 کا نابالغ ثابت ہوں۔اُس سال میرا میڈیکل بورڈ ہو چکا تھا۔ اِس حساب سے میری سزا عمر قید بنتی تھی اور مجھے بہت پہلے رہا ہو جانا چاہیے تھا۔اب 20 سال بعد انصاف ملے تو کیا انصاف ہے۔میری تو زندگی تباہ ہوگئی۔ جیل میں ہی مجھے فالج اور ہارٹ اٹیک ہوا۔اب میرے جسم کا بایاں حصہ کام نہیں کرتا۔'

محمد انور بتاتے ہیں کہ جیل میں قید شخص تو ذہنی اور جسمانی اذیت برداشت کرتا ہی ہے لیکن ساتھ ساتھ اُس کے گھر والے بھی کٹھن حالات سے گزرتے ہیں۔ جرم ایک آدمی کرتا ہے سزا پورا خاندان بھگتتا ہے۔

'پہلے میرے والدین کیس کی پیروی کرتے کرتے دنیا سے چلے گئے۔ پھر میرے دو بھائیوں نے پیروی شروع کی اور وہ بھی ایک ایک کر کے دنیا سے چلے گئے۔زمین جائیداد سب بک گئی اور ہم مقروض ہوگئے۔ مجھے اپنے سب پیاروں کی موت کا علم کئی کئی دن بعد ہوا اور میں اُن کے جنازوں کو کندھا بھی نہیں دے پایا۔'

کال کوٹھڑی کی یاد

لیکن تمام مصائب کے باوجود جیل کی یاد اب بھی محمد انور کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔آدھی سے زیادہ زندگی جیل میں گزارنے کے بعد اُنھیں اُس جگہ سے ایک خاص اُنس پیدا ہو گیا تھا۔

' کبھی کبھی جیل میں ایسا لگتا تھا کہ میں پیدا ہی یہاں ہوا ہوں۔ رہائی کے بعد جب میں جیل کے دروازے سے باہر نکلا تو ایسا لگا کہ یہ دنیا پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ایسے جیسے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ جب میں جیل گیا تھا تو نہ موبائل فون تھے، نہ ہی جدید انداز کی گاڑیاں اور نہ ہی انٹرنیٹ۔ یہ سب میرے لیے نیا ہے۔'

جیل سے چھوٹنے کے بعد انور سب سے پہلے اپنے بڑے بھائی کے گھر گئے جو اُن کی رہائی سے چند ماہ پہلے وفات پا گئے تھے۔

'بھائی کے بچوں نے میرا استقبال کیا۔ وہ ایک بہت جذباتی مرحلہ تھا۔خوشی تو تھی رہائی کی لیکن دکھ بھی تھا کہ بھائی چلے گئے۔ والدین اور بھائیوں کی قبر پر جا کر فاتحہ بھی پڑھی۔ پھر میرے پرانے دوست بھی ملنے آئے۔ کچھ مجھے پہچان نہ سکے اور کچھ کو میں نے بڑی مشکل سے پہچانا۔میرے جیل کے ساتھی جو مجھ سے پہلے رہا ہو گئے تھے وہ بھی ملنے آئے۔تو ہم نے جیل کی یادیں تازہ کیں۔ پھر میں جیل بھی گیا اُن دوستوں کی ملاقات پر جو اب تک قید ہیں۔'

لیکن رہ رہ کر محمد انور کو دکھ یہی کھائے جاتا ہے کہ اُن کی تمام زندگی جیل میں ہی گزر گئی۔ وہ بچپن میں جیل گئے اور اب بوڑھے ہو کر باہر آئے ہیں۔ وہ اپنے پاس آنے والے ملنے والوں کو اپنا یہ شعر سُنانا کبھی نہیں بھولتے۔

سمندر دی جوشِ طوفانی نئیں ویکھی
میں آپ ہی اپنی جوانی نئیں ویکھی

(بشکریہ بی بی سی اردو)

قانونی ماہرین کے مطابق اعداد وشمار سے واضح ہے کہ سزائے موت سے جرائم کی شرح میں کمی نہیں آتی۔ترقی یافتہ اور مہذب معاشروں میں سزا سے زیادہ قیدیوں کی بحالی اور اُن کے معاشرے میں انضمام پر توجہ دی جاتی ہے۔وکیل اور سماجی کارکن ثنا فرخ کے مطابق 'ہمارے یہاں اکثر کسی بڑے سانحے کے بعد رائے عامہ میں مجرموں کے لیے موت کی سزا کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد ملوث افراد کو پھانسی دے دی جاتی ہے اور عوامی دباؤ کم ہو جاتا ہے۔لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف موت کی سزا جرائم کا خاتمہ نہیں کرسکتی۔ جرائم کے اسباب کا سراغ لگا کر اُنھیں جڑ سے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔'

سزائے موت کے قانون کے خلاف عالمی دن

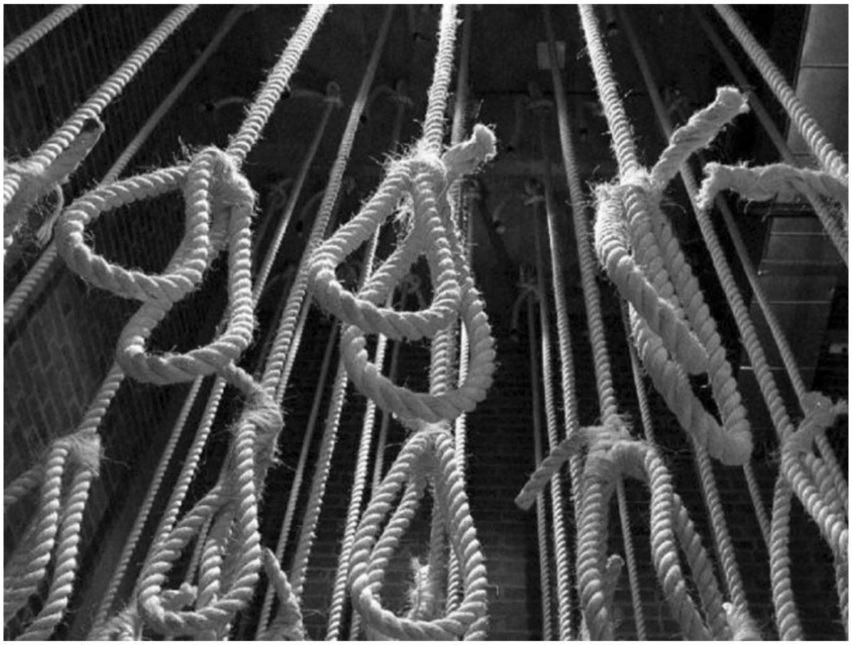

ملتان ملتان (سٹی رپورٹر) سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کمیشن ملتان دفتر میں ایک ڈائیلاگ کا انعقاد کیا گیا۔جس میں انسانی حقوق کے کارکنان کے علاوہ وکلا، طالبعلموں اور مزدور رہنماؤں سمیت اقلیتی نمائندگان نے شرکت کی۔ پرویز اقبال انصاری ایڈووکیٹ اور کونسل ممبر ایچ آر سی پی نذیر احمد نے سزائے موت کے خاتمہ کے عالمی دن پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کا فریضہ زندگی کو ختم کرنے کی بجائے محفوظ کرنا ہے۔اگر ہم غیر تسلی بخش عدالتی نظام میں سزائے موت کے اطلاق پر اجازت ہو تو وہ اس کے مترادف ہوگا کہ ریاست میں لوگوں کی جان محفوظ نہیں اور دوسری بات یہ کہ موجودہ ناقص عدالتی نظام میں صرف غریب اور وسائل سے محروم لوگ پھانسی چڑھنے کے خطرہ سے دوچار رہتے ہیں۔اس میں بچے، ذہنی معذور لوگ بھی اس میں نشانہ بنتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

حیدرآباد حیدرآباد (اسٹاف رپورٹر) ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر پریس کلب کی جانب سے ریلی نکالی۔اس موقع پر پروفیسر امداد چانڈیو، کونسل ممبر سلیم جروار، غفرانہ آرائیں، ایڈووکیٹ سرور چانڈیو اور دیگر نے کہا کہ سزائے موت صرف کمزور اور نادار لوگوں کے لیے ہے جبکہ اس فعل کی پرزور مذمت کرتے ہیں، یہ انسانیت کی خلاف ورزی ہے۔ پھانسی کی سزا نہ دی جائے جبکہ اب لوگوں کو ہاف فرائی اور فل فرائی کیا جارہا ہے جو نا قابل برداشت ہے جس کی شدید مذمت کرتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ جسارت)

تربت 10 اکتوبر 2022 کو ایچ آر سی کے ریجنل آفس تربت مکران کی جانب سے سزائے موت کے خاتمے کے عالمی دن کے موقع پر ایچ آر سی پی کے ریجنل آفس تربت میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں انسانی حقوق سے دلچسپی رکھنے والے خواتین اور مرد کارکنان نے شرکت کی۔ پروگرام کے پہلے حصے میں سزائے موت کے بارے میں شرکاء نے گفتگو کی گئی۔اس موقع پر ایچ آر سی پی کے ریجنل کوآرڈینیٹر پروفیسر غنی پرواز نے کہا کہ زندگی ایک نعمت ہے، اسے موت کے سپرد کرنا نہیں چاہیے، بلکہ انسانیت کی فلاح کے لئے جرائم پیشہ افراد کو بھی سدھرنے کا موقع دینا چاہئے۔انہوں نے کہا کہ انسان اشرف المخلوقات اور قابل اصلاح ہے۔کسی بھی جرم کی سزا ضروری نہیں کہ موت ہی ہو۔ایک انسان کو، چاہے وہ مجرم ہی کیوں نہ ہو، زندہ رہنے کا موقع ملنا چاہیے۔جیل اصلاح کی جگہ ہے۔اگر قیدیوں کو منشیات اور دیگر برائیوں سے بچا کر ذہنی تربیت دی جائے اور کوئی نہ کوئی ہنر سکھایا جائے تو سزا کاٹنے کے بعد وہ بہتر انسان اور بہتر شہری بن سکیں گے۔انہوں نے کہا کہ سزائے موت کو محض عبرت کے لیے جواز نہیں بنایا جاسکتا۔ذہنی تربیت دینے اور شعور میں اضافہ کرنے کی بدولت کسی بھی انسان کی اصلاح ممکن ہے۔اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 2003 کو یہ فیصلہ کیا کہ انسان قابل اصلاح ہے، اس لیے سزائے موت کا خاتمہ ہونا چاہئے اور اگر کسی جرم کے لئے کوئی بڑی سزا دینا ضروری ہو تو عمر قید کی سزا دینی چاہیے (جو 14 سال قید کے برابر ہے)، تاکہ یہ سزا کاٹنے کے بعد وہ زندہ رہ کر اپنی اصلاح کرسکیں اور بہتر انسان اور بہتر شہری بن سکیں۔اسی فلسفے کی بنیاد پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 اکتوبر کو سزائے موت کی مخالفت کا عالمی دن منانے کا فیصلہ کیا چنانچہ 2003 سے یہ دن دنیا بھر میں منایا جارہا ہے تاکہ لوگوں کو شعور وآگاہی دلا کر سزائے موت کو بتدریج دنیا بھر سے ختم کر دیا جائے۔ان کوششوں کے نتیجے میں دنیا بھر میں جو صورتحال پیدا ہوئی ہے اسکا خاکہ کچھ اس طرح ہے: اس وقت دنیا میں کل 196 ممالک ہیں جن میں سے 193 ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں، جبکہ 3 ممالک ابھی تک اقوام متحدہ کے رکن نہیں۔ اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں سے 106 ممالک میں سزائے موت مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے، جن میں یورپی یونین کے 27 ممالک بھی شامل ہیں، 56 ممالک ایسے ہیں جن میں سزائے موت ابھی تک باقی ہے، جن میں امریکہ، چین، ہندوستان اور پاکستان بھی شامل ہیں۔23 ممالک ایسے ہیں جن میں قانونی طور پر تو سزائے موت موجود ہے مگر اس پر عمل نہیں کیا جاتا جن میں روس سر فہرست ہے، اور 8 ممالک ایسے ہیں جن میں سزائے موت صرف بڑے بڑے جرائم کے لئے موجود ہے جن میں برازیل اور اسرائیل وغیرہ شامل ہیں، جبکہ اقوام متحدہ کے غیر رکن ممالک میں سے ایک تائیوان ہے جہاں سزائے موت قانونی طور پر موجود ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، دوسرا فلسطین ہے جہاں سزائے موت قانونی طور پر موجود ہے مگر اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور تیسرا ویٹیکن سٹی ہے جہاں سزائے موت موجود تو ہے مگر صرف پوپ کے قاتلوں کے لئے۔

پروگرام میں آل پارٹیز کیچ کے کنوینر خلیل تگرانی، خان محمد جان، محمد کریم گچکی، شکر اللہ یوسف، ماسٹر عبدالغنی مندی، شہناز شبیر و دیگر نے بھی بحث میں حصہ لیا۔اس دوران تربت سول سوسائٹی کے ڈپٹی کنوینر جمیل عمر دشتی اور احد الٰہی میروزئی سمیت دیگر بھی موجود تھے۔ پروگرام کے دوسرے حصے میں ایچ آر سی پی ریجنل آفس کے سامنے سزائے موت کی مخالفت کے سلسلے میں مختلف نعروں سے مزین پلے کارڈز کے ساتھ ایک مظاہرہ بھی کیا گیا۔

(اسد اللہ بلوچ، نمائندہ ڈیلی ایگل، حب (بلوچستان)

پاکستان میں سزائے موت کے قانون کا خاتمہ ممکن ہے؟

دسمبر 2019 کے بعد کسی بھی فرد کو پھانسی کی سزا تو نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود ملک میں غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 3831 افراد 'موت کی قطار' یا 'ڈیتھ رو' میں ہیں۔

قیدیوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیم جسٹس پراجیکٹ پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق آرمی پبلک سکول حملے کے بعد سے 2019 تک پاکستان میں 516 افراد کو ملنے والے سزا موت پر عملدرآمد کرتے ہوئے ان کو پھانسی لگا دی گئی۔

دسمبر 2019 کے بعد کسی بھی فرد کو پھانسی کی سزا تو نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود ملک میں غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 3831 افراد 'موت کی قطار' یا 'ڈیتھ رو' میں ہیں۔

سزائے موت کے قانون کے خلاف عالمی دن کے موقع پر انڈپینڈنٹ اردو کی جانب سے پاکستان میں سزا موت کے قانون پر عملدرآمد کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال 10 اکتوبر کو سزائے موت کے قانون کے خلاف عالمی دن منانے کے ساتھ اس سزا کو سرے سے ختم کرنے کے دن کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔

پاکستان میں 16 دسمبر 2019 کو آرمی پبلک اسکول پشاور پر 2014 میں ہونے والے شدت پسند حملے میں سہولت کاری کے الزام میں کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے رہنما تاج محمد ولد الف خان کو پھانسی دے دی گئی تھی۔

اس کے بعد کسی بھی فرد کو پھانسی تو نہیں ہوئی مگر سات اکتوبر 2022 تک پاکستان میں جن لوگوں کو سزائے موت سنائی گئی ہے ان کی تعداد 22 خواتین سمیت تین ہزار 831 تک پہنچ گئی ہے۔

صدر آصف علی زرداری نے منتخب ہونے کے بعد سزائے موت پر عمل درآمد روک دیا تھا۔ ان کے اس فیصلے پر اعلی عدلیہ کی جانب سے تنقید بھی کی گئی تھی مگر سرکاری طور پر سزائے موت پر عمل درآمد نہیں ہونے دیا گیا۔ کیوں کہ صدر کو آئین کے تحت اختیار ہے کہ وہ عدالت کی طرف سے کسی بھی مجرم کو دی گئی پھانسی پر عمل درآمد روک سکتا ہے یا پھر سزا کو عمر قید میں تبدیل یا سزا میں تخفیف کرسکتا ہے۔

لاہور کی ضلعی جیل کے باہر کا منظر جہاں 20 مارچ 2021 کو اجتماعی ریپ کے ملزمان کے مقدمے کی سماعت ہوئی تھی (اے ایف پی فائل)

ان میں سب سے زیادہ تعداد پنجاب کی ہے جبکہ دوسرا نمبر سندھ کا ہے جہاں کوئی بھی خاتون نہیں۔

خیبر پختونخوا میں دو خواتین سمیت 355 اور بلوچستان میں 61 افراد کو سزا موت سنائی گئی۔

ان لوگوں کو گذشتہ کئی سالوں کے دوران سزا سنائی گئی۔

اب ان میں سے کئی کی رحم کی اپیل کی درخواست صدر پاکستان یا دیگر سرکاری جگہوں پر پہنچی ہوئی ہے اور ان کی سزا پر تاحال عملدرآمد نہیں ہوا ہے۔ یہ افراد 'موت کی قطار' یا عدالتی زبان 'ڈیتھ رو' میں ہیں۔

'ڈیتھ رو' کیا ہوتی ہے؟

کراچی کے معروف قانون دان اور کرمنل قانون کے ماہر وکیل شوکت حیات مطابق کسی فرد پر کسی سنگین نوعیت کا جرم ثابت ہونے کے بعد جیسے ہی کیپیٹل پنشمنٹ یا سزائے موت سنائی جاتی ہے تو ان کو عام قیدیوں سے الگ جیل میں ایک مخصوص جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس جگہ کو ڈیتھ سیل کہا جاتا ہے۔

انڈپینڈنٹ اردو سے گفتگو کرتے ہوئے شوکت حیات نے بتایا: 'ڈیتھ سیل' کی سخت سکیورٹی کی جاتی ہے، وہاں رکھے ہوئے قیدیوں کو جیل میں موجود دیگر قیدیوں سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ کیوں کہ اب ان کو سزا موت سنا دی گئی ہے اور وہ لوگ پھانسی کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کو تکنیکی زبان میں 'موت کی قطار' یا 'ڈیتھ رو' کہا جاتا ہے۔'

شوکت حیات کے مطابق: 'اس مخصوص جگہ یا ڈیتھ رو کے اندر چھوٹے سیل ہوتے ہیں جہاں ان قیدیوں کو الگ الگ رکھا جاتا ہے۔ دن میں دو بار سخت پہرے میں قیدیوں کو ان کے سیل سے باہر آنے دیا جاتا ہے۔ ان کی ملاقات کے لیے ایک مخصوص بیرک ہوتی ہے۔'

سابق انسپکٹر جنرل (آئی جی) جیل خانہ جات نصرت حسین منگن نے انڈپینڈنٹ اردو کو بتایا کہ 'ڈیتھ سیل میں آنے والے قیدیوں کو جیل میں موجود دیگر قیدیوں کی نسبت بہت بہتر طریقے سے ڈیل کیا جاتا ہے۔ ان قیدیوں کو بہتر کھانا دینے کے ساتھ ان کا بہت زیادہ خیال کیا جاتا ہے۔'

قومی احتساب بیورو پاکستان یا نیب کے ایک کیس میں سات سال تک کراچی کی سینٹرل جیل میں قید مکمل کر کے تین مہینے پہلے باہر آنے والے عرفان موسیٰ نے انڈپینڈنٹ اردو کو ٹیلی فون پر بتایا: 'مجھے سزا تو سات سال کی ہوئی تھی، مگر اچھے چال چلن اور جیل میں فلاحی کاموں میں حصہ لینے کے باعث وقت سے پہلے آزادی مل گئی۔ قید کے دوران میں نے قیدیوں کی فلاح کے لیے کام کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم کے ساتھ کام کیا۔ ہم جیل میں ہر جگہ جاتے تھے۔ مگر ہمیں ڈیتھ سیل میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔'

'ڈیتھ سیل ایک پراسرار جگہ ہے۔ وہاں سخت پہرہ ہوتا ہے اور کوئی بھی غیر متعلقہ فرد وہاں نہیں جا سکتا۔'

اے پی ایس حملے کے بعد پھانسیوں کی تعداد؟

صدر آصف علی زرداری نے منتخب ہونے کے بعد سزائے موت پر عمل درآمد روک دیا تھا۔ ان کے اس فیصلے پر اعلی عدلیہ کی جانب سے تنقید بھی کی گئی تھی مگر سرکاری طور پر سزائے موت پر عمل درآمد نہیں ہونے دیا گیا۔ کیوں کہ صدر کو آئین کے تحت اختیار ہے کہ وہ عدالت کی طرف سے کسی بھی مجرم کو دی گئی پھانسی پر عمل درآمد روک سکتا ہے یا پھر سزا کو عمر قید میں تبدیل یا سزا میں تخفیف کرسکتا ہے۔

آرمی پبلک سکول پشاور پر 16 دسمبر 2014 کو ہونے

والے شدت پسند حملے میں ملوث افراد کے مقدمات کی فوری سماعت کے لیے فوجی عدالتیں قائم کی گئیں اور اس کے لیے پاکستان آرمی ایکٹ میں اسمبلی سے ترمیم بھی کی گئی تھی۔

اس سلسلے میں دو اپریل 2015 ایک فوجی عدالت نے دہشت گردی کے مقدمات میں ملوث چھ مجرمان کو سزائے موت سنائی، جس کی بعد میں اس وقت کے آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے توثیق بھی کی تھی اور مجرمان کو پھانسی دے دی گئی تھی۔

جسٹس پراجیکٹ پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق دو اپریل 2015 سے 16 دسمبر 2019 کے درمیاں پاکستان میں 516 افراد کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

’ڈیتھ سیل‘ سے باہر آنے والے کئی سالوں بعد بھی دہشت زدہ

انڈپینڈنٹ اردو کی جانب سے ڈیتھ سیل میں زندگی کے متعلق جاننے کے لیے سزائے موت ملنے کے بعد ’ڈیتھ سیل‘ میں کئی سال گزارنے کے بعد باہر آنے والے افراد سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ڈیتھ سیل سے باہر آنے کے کئی سال بعد بھی ان پر اتنی دہشت طاری ہے کہ کسی نے بھی بات کرنے سے انکار کر دیا۔

کراچی کے علاقے سعودہ باد کی رہائشی خاتون، جن کو تہرے قتل کے الزام میں سزا موت سنا کر ڈیتھ سیل بھیجا گیا۔

مگر بعد میں سپریم کورٹ نے ’مطلوبہ شواہد نہ ہونے پر انہیں رہائی دی تھی۔ رہائی کے چار سال بعد جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اس پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتیں۔

ایک اور شخص جو دو سال قبل ڈیتھ سیل سے باہر آیا نے انڈپینڈنٹ اردو کو بتایا کہ وہ اس پر بات کرنا تو دور اس کی بابت سوچنا بھی نہیں چاہتا۔

پاکستان میں سزا موت قانون کا خاتمہ کتنا ممکن؟

وکیل شوکت حیات کے مطابق جب تک معاشرہ ترقی نہیں کرتا، عوام میں شعور نہیں آ جاتا، تب تک سزا موت کے قانون کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔

انڈپینڈنٹ اردو سے گفتگو کرتے ہوئے شوکت حیات نے کہا: ’مغربی ممالک میں پھانسی کے خلاف سخت احتجاج کے بعد وہاں اس قانون کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ تو اب وہاں کوئی بھی بندوق لے کر نکلتا ہے اور کئی درجن افراد یا بچوں پر فائرنگ کر کے ہلاک کر دیتا ہے۔ تو اب وہاں بھی سوال اٹھ رہے ہیں کہ کیا اس قانون کو دوبارہ لاگو کیا جائے۔

’پاکستان میں جرم عام ہے، سنگین نوعیت کے جرائم مرتکب ہوتے ہیں۔ کسی خاتون کو کاری کر کے مار دیا جاتا ہے۔ اس لیے پاکستان میں پھانسی کی سزا والا قانون تا حال ختم نہیں ہو سکا ہے۔ اس قانون تب ہی ختم ہو سکتا ہے جب معاشرہ ترقی یافتہ ہو اور عوام کو شعور آ جائے۔‘

’ریاست پھانسی کی سزا پر فوری سرکاری پابندی عائد کرے‘

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی چیئرپرسن حنا جیلانی نے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان کی ریاست ملک میں پھانسی کی سزا پر فوری طور پر سرکاری پابندی عائد کرے۔

سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر اپنے بیان میں حنا جیلانی نے کہا سزائے موت پاکستان کے اُس عالمی عہد کے منافی ہے جو اِس نے تشدد اور ظالمانہ، غیرانسانی یا اہانت آمیز سزا کی روک تھام کے ضمن میں عالمی برادری سے کر رکھا ہے۔

بیان کے مطابق ایچ آر سی نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ پاکستان میں قاعدے، قانون سے ہٹ کر دی جانے والی پھانسیوں سے متعلق سرکاری اعداد و شمار دستیاب نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کسی کا محاسبہ بھی نہیں ہوتا۔ اس سے فوجداری نظامِ انصاف میں سنگین سقم کی نشاندہی ہوتی ہے۔

بیان کے مطابق ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ ریاست پھانسیوں پر فی الفور سرکاری پابندی عائد کرے اور ایسے سرکاری اہلکاروں کا محاسبہ یقینی بنائے جو شہادت اکٹھی کرنے کے لیے تشدد کا سہارا لیتے ہیں۔

کالج کھنڈرات کی شکل اختیار کر گیا ہے

نوشکی نوشکی کا سب سے بڑا تعلیمی ادارے ڈگری کالج نوشکی کھنڈرات کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ 1970 کی دہائی میں بلاک سے ڈگری کالج نوشکی کی عمارت تعمیر کی گئی ٹیکنکل اعتبار سے عمارت اپنی عمر پوری کر چکی ہے۔ جگہ جگہ سے کالج کی عمارت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہے جس کی وجہ سے کسی وقت بھی کوئی سانحہ رونما ہو سکتا ہے اس لیے صوبائی حکومت نوشکی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ڈگری کالج کے لیے نئی عمارت کی تعمیر کے اقدامات اور پلاننگ پر توجہ دے تعلیمی اداروں کی بہتری اور تعلیمی اداروں میں جدید سہولیات کی فراہمی سے ہم تعلیم کے فروغ کے حصول کو یقینی بنا کر نوجوان نسل جو ہمارا اصل سرمایہ ہیں ملک قوم کی ترقی اور خوشحالی میں بہتر کردار ادا کرتے ہوئے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں۔ یوں تو صوبائی حکومت بلوچستان میں تعلیم کے فروغ کے لیے بلند بانگ دعوے کرتے ہوئے نہیں تھکتی لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ڈگری کالج نوشکی میں مختلف مضامین کے 6 لیکچروں کی آسامیاں خالی ہیں۔ کالج میں ملٹی پرپز ہال کانفرنس روم پرنسپل لاج اور پروفیسر لاج زبوں حالی سے دوچار ہیں۔ پروفیسر لاج کی چار دیواری کسی وقت بھی گر سکتی ہے۔ ڈگری کالج میں کمپیوٹر لیب تو تعمیر کی گئی ہے لیکن کمپیوٹر لیب میں کمپیوٹر اور انسٹرکٹر کے بغیر کمپیوٹر لیب کا فائدہ ہی نہیں۔ کمپیوٹر لیب میں پچاس کمپیوٹر اور انسٹرکٹر کی تعیناتی عمل میں لا کر کمپیوٹر کی کلاسیں شروع کی جائے کیونکہ موجودہ دور کمپیوٹر کا ہے۔ جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈگری کالج میں ڈیجیٹل لائبریری کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ڈگری کالج نوشکی کے کلریکل اسٹاف کی کمی پوری کی جائے ڈگری کالج نوشکی میں فرنیچر کی کمی پوری کی جائے۔ اس وقت ڈگری کالج نوشکی میں 2000 کے قریب طالب علم زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں لیکن کالج میں کینٹین نہ ہونے کی وجہ سے طلباء کو ریفریشمنٹ کی سہولت نہ ہونے کے وجہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈگری کالج طلباء کو سپورٹس کی بہتر سہولیات کی فراہمی کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ فٹبال گراؤنڈ کو گراسی اور کالج موٹر سائیکلوں اساتذہ اکرام کے گاڑیوں کے لیے شیڈ اور پارکنگ کی تعمیر بھی عمل میں لائی جائے۔ ہم اپنے تعلیمی اداروں کو خوبصورت جدید اور بہتر سہولیات دیکر ہی ایک بہتر معاشرے کی تشکیل عمل میں لا سکتے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتی اداروں کے ساتھ منتخب عوامی نمائندے مخیرّ حضرات سول سوسائٹی اور کمیونٹی کے ہر فرد کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

(نامہ نگار)

آفات اور جنس کا بازار

سعدیہ بلوچ

جسم فروشی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود خرید و فروخت کی تاریخ۔ معاشرے نے بہت بعد میں کہیں اسے معیوب سمجھنا شروع کیا لیکن ختم نہیں کر سکا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسے قائم و دائم رکھنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں اسے باقاعدہ قائم و دائم رکھا گیا چونکہ بکنے کے لیئے جنس اور خریدنے کے لیے گاہک ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ فی زمانہ بھی عام طور پر کسی بھی پیشے سے جڑی عورتوں کے لیے یہ تصور موجود ہے کہ پیسہ کمانے کی غرض سے گھر سے باہر نکلنے والی عورتیں، کام کے بہانے یا تو اپنی جنسی آزادی کی تسکین کرتی ہیں یا زیادہ پیسے کمانے کی خاطر جسم فروشی کرتی ہیں۔

ویسے سوال تو ہونا چاہیے ناں کہ سماج نے عورت کو کون کون سے شعبے اور پیشے مہیا کیے جہاں وہ مردوں کی طرح کام کر کے پیسہ کما سکیں۔ چونکہ عورت کا بااختیار ہونا مردانہ سماج کے لیئے ہمیشہ ناقابل قبول عمل رہا جو ان کی صدیوں سے قائم طاقت کی سلطنت کے لیے خطرہ ہے۔ اگر ہم زراعت کے حوالے سے دیکھیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کھیت کھلیانوں میں کام کرتی عورت کو زندہ رہنے جتنی خوراک اور سر ڈھانپنے جتنی چھت تو فراہم کی گئی لیکن اس اطمینان کی بنیاد پر کہ گھر کی عورت، گھر کے مردوں سے کے ساتھ یا سامنے گھر کی ملکیت والی زمین پر کھیتی باڑی کر رہی ہے جہاں آس پاس کے مرد یا تو گھر کے ہیں یا اپنی ہی برادری یا خاندان کے جنھوں نے اسے کنٹرول کرنے کے لیئے سخت قوانین بنا رکھے ہیں اور اگر اس میں بھی کہیں کوئی روایت مخالف عورت سر اٹھائے یا باغی ہو جائے تو جان لینے جیسی سخت ترین سزائیں بھی موجود ہیں۔ روایت، شرم، غیرت اور شرافت کے نام پر عورت کی بیگاری کو پدرسری سماج نے بڑی چابک دستی اور عیاری سے قائم رکھا ہوا ہے۔

مردانہ سماج نے اپنے لیے الگ دنیا بسائی جہاں ان کی اجارہ داری کلی طور پر قائم رہے۔ عورتوں کی اگائی یا بنائی گئی اشیاء کے بازاروں کے ساتھ ساتھ مخصوص بازار الگ سے تعمیر کیے جاتے رہے جہاں بے سواؤں کو رہنے کی جگہ، سہولتیں اور مال زر وافر فراہم کیا تا کہ یہ "باہر کی عورتیں"، ان کے " گھر کی عورتوں" سے الگ رہ کر ان کی تسکین کرتی رہیں۔ ایسے بازاروں کی گنجائش روایت، شرم، غیرت اور شرافت جیسے ڈھکوسلوں سمیت مذہبی تعلیمات کے برخلاف ہر دور میں قائم رہی۔ لیکن جب زمانے نے کروٹ بدلی تو یہ بازار اجڑ گئے۔

اگر اس کے لیے یہ کہا جائے کہ اجڑے نہیں بلکہ انھیں گلی محلے میں پھیلا دیا گیا اور اک بڑی آبادی جو اس بازار کی جنس تھی، سمیت خریداروں کی بڑی تعداد شرفاء کی صف میں آن بسی جہاں ان کی بازار سے جڑی شناخت ختم ہوگئی۔

کچھ سوال ہیں جیسے عورتیں اس پیشے سے کیسے اور کیوں منسلک ہوتی ہیں؟ کیا معاشی استحکام کے لیے تو جہاں شہری زندگی میں رہنے والی آبادیوں میں کھیت کھلیان نہیں یا جانور پالنا تو عورتوں کے لیے آمدن کا ذریعہ کیا ہے؟ کیا وہ کوئی ہنر بیچتی ہیں جیسے لوہار، سنار، دستکار، کمہار، نان بائی، دفتری ملازمت، مذہبی معاملات سے جڑے امور انجام دینے والے یعنی ملا، پنڈت، راہب وغیرہ یا پھر فیکٹریاں۔۔۔۔۔لیکن عورت کو نہ تو تعلیم حاصل کرنے دی گئی نا ہی ایسے کوئی ہنر سکھائے گئے سو ایسے میں کیا رہ جاتا ہے، ایک یہ کہ وہ گھر کے مردوں پر انحصار کرے جس کے نتیجے میں ناں تو وہ کمائی میں خود کفیل ہو سکتی تھی اور نا ہی طاقت کے گورکھ دھندے میں حصہ ڈال سکتی تھی۔ ایسے میں وہ عورتیں جو لاوارث ہوگئی ہوں، بیوہ ہو جائیں یا چھوڑ دی گئی ہوں کے پاس انتہائی محدود راستے بچتے تھے اور آج بھی ایسا ہے کہ وہ گھر مزدوری کریں جیسے بھٹیارہ (کھانا پکا کر بیچنا) چلائے، جانور پالے، سلائی کڑھائی کرے یا اور کوئی دستکاری جسے وہ براہ راست فروخت نہیں کر سکتی جس کے نتیجے میں اصل محنتانہ بھی حاصل نہیں کر سکتی چونکہ ایسے سماج میں "شرافت" کے بھرم کے قیام کا بوجھ بھی اس کے کاندھوں پر ہے۔ سولے دے کر جن کے پاس یہ راستہ بھی نہیں تو ایک راہ باقاعدہ کھلی رہتی ہے جس میں گھر پہ رہ کر بھی کام ہو سکتا ہے اور محنتانہ باقی کاموں سے زیادہ یعنی جسم فروشی۔

کیا تماشہ ہے کہ عام ڈگر سے ہٹ کر تنازعات، جنگوں اور قدرتی آفات میں جب محدود ذرائع بھی ختم ہو جائیں تب بھی جسم فروشی قائم رہتی ہے بلکہ اس کی شرح اور امکانات بڑھ جاتے ہیں البتہ آمدن کی قدر گر جاتی ہے۔ دنیا نے عالمی جنگیں دیکھیں، قدرتی آفات دیکھیں اور یہ بھی دیکھا کہ اتنی بڑی بڑی تباہیوں میں انسانی زندگی رک گئی پر یہ بازار چلتا رہا۔ اسی طرح اگر صرف پاکستان کی بات کی جائے تو اور صرف 3 بڑی قدرتی آفتوں کی بات کی جائے جیسے کہ 2005 کشمیر کا زلزلہ، 2010 کا سیلاب اور حالیہ سیلاب، نے ایک ایسی صورت حال کو جنم دیا جس پر کہیں اکا دکا آوازیں تو سنائی دیتی ہیں لیکن اس پر کوئی کام نہیں ہو رہا یعنی جسم فروشی مثال کے طور

کنیزن

وہ اساطیر کی بھول تھی، تیرہویں گمشدہ شاخ کا پھول تھی
پورے چالیس برس اس کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں خواب کی شمع جلتی رہی
اور وہ جیتی رہی، اور وہ موت کی وادی میں بال بکھرائے چلتی رہی
پیش پس ہوگئے، لوگ بس ہوگئے، دس برس ہوگئے
بولتی چالتی کیوں نہیں، دیکھتی بھالتی کیوں نہیں
وہ جو پہلے اسے دیکھ کر ہنستے تھے کب کے چپ ہوگئے
اور جو چپ تھے وہ رونے لگے
ہاں، کنیزن! تو معصوم ہے! اور یہ شاہ اور قاضی، یہ چور اور سپاہی تیری جنتی کوکھ کے سانپ ہیں، سب کو معلوم ہے
ماں کنیزن! انہیں پالتی کیوں نہیں
اپنے گھر پر بڑھے اپنے سر پر چڑھے آتے جلاد کو ٹالتی کیوں نہیں

(ادریس بابر)

پر کشمیر کا زلزلہ اور حالیہ سیلاب جس کی تباہی کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔

انسانی تباہ کاریاں جیسے انسانوں کے مابین تنازعات اور جنگوں کے نتیجے میں بھی عورتیں تقابلی طور پر زیادہ نقصان اٹھاتی ہیں جیسے گھر کے مردوں کی ہلاکت اور اس کے نتیجے میں روزمرہ زندگی کی ضروریات کے لیے آمدن کا رک جانا، املاک کا تباہ ہو جانا جیسے گھر، کھیت کھلیان اور پالتو جانوروں کی ہلاکت، دشمنوں کی طرف سے اغواء اور جنسی زیادتیاں، جان بچانے کے لیے ہجرت کے مسائل وغیرہ۔ دوسری طرف قدرتی آفات میں میں بھی یہی صورتحال ہوتی ہے ساتھ ہی ملنے والی امداد تک رسائی ان عورتوں کے لیے ایک اضافی مصیبت بن جاتا ہے جو قبائلی یا نیم قبائلی سماج کا حصہ ہوں اور شدید بد حالی میں بھی "غیرت" کی وجہ سے اس امداد تک رسائی حاصل نہیں کر پاتیں۔ سو جو اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوں یا امداد ان تک آئے ان کے لیے امداد کے نام پر جنسی ہراسانی یا زیادتی کی شرح بڑھ جاتی ہے یعنی بازار خود اٹھ کر ان تلک آ جاتا ہے جہاں خریدار جنس کو اپنی مرضی اور شرائط پر ارزاں ترین قیمت پر خریدتا ہے اور بکنے والے کے لیے جان بچانے کا واحد راستہ یہی رہ جاتا ہے۔

آفت سے براہ راست متاثرین کا المیہ اپنی جگہ شدید ہے لیکن ایک ان دیکھا سانحہ بھی جنم لیتا ہے۔ مثال کے طور پر حالیہ سیلاب میں جہاں صوبہ سندھ سب سے زیادہ متاثر ہے۔ جہاں لوگ مر گئے، مکانات گر گئے، جانور ہلاک ہوئے، فصلیں تباہ ہوئیں نہ صرف تیار فصلیں بلکہ زیادہ پانی ہونے کے نتیجے میں اگلی فصلوں کی بیجائی کا موسم بھی نکل جائے گا، ایسی صورت میں غذائی اجناس کی دستیابی یا قیمتوں کا بے تحاشہ بڑھنا جیسے مسائل سامنے ہوں گے۔ اس میں بہت سے شعبے متاثر ہوں گے جیسے نقل وحمل کے ذرائع سے جڑے لوگ (جب اجناس ہی نہیں ہونگی تو وہ کیا مال مارکیٹ تلک لائیں گے، اجناس کی پروسسنگ سے جڑے لوگ، آڑھتی وغیرہ ایسے میں کم ترین آمدنی اور متوسط طبقے پر شدید بوجھ پڑے گا۔ وہ عورتیں جو آج بھی گھر کے مردوں کی آمدنی پر انحصار کرتی ہیں، جو خود کماتی ہیں اور ان کی آمدن لگی بندھی ہے اور وہ جن کی آمدن یومیہ اجرت پر مبنی ہے یا اس سے جڑی ہے ان کے پاس کیا راستہ رہ جاتا ہے۔ بڑی آفات کے نتیجے میں نا اہل ریاست کے پاس نہ تو منصوبہ بندی ہوتی ہے اور نا ہی نظام لہٰذا اگر وہ فوری امداد بھی دینا شروع کریں یا بحالی کا کام کرنے لگیں ان کے منصوبوں کا مرکز براہ راست متاثرین ہوتے ہیں ایسے میں بلواسطہ متاثرین میں کمزور ترین طبقے اور گروہ جیسے عورتوں کے لیے راہیں سکڑنے لگتی ہیں۔

انسانی حقوق کا اعلامیہ بھی کسی بھی قسم کی جبری مشقت کو رد کرتا ہے اور انسانی عظمت و وقار کو اہمیت دیتا ہے۔ مہذب ملکوں کے قوانین بھی اس پر کام کرتے ہیں لیکن یہ معاملہ "مرضی" یا "اختیاری" ہونے کی بناء پر ایسے بازاروں کی انتظامیہ کو ایک آسان راستہ دیتا ہے اور اس صورت میں ان پر الزام بھی نہیں آتا۔ جنگوں اور تنازعات کی ممکنات تو ہمیشہ سے ہی رہی ہیں اور آج سائنس کی مدد سے آئندہ کے قدرتی معاملات پر بھی پیشن گوئی کی جاتی ہے جیسے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ آئندہ شدید بارشیں، سیلاب اور قحط تیار کھڑے ہیں۔ اقوام عالم اس کی تیاری کر رہے ہیں کہ کیسے اثرات کو کم سے کم کیا جاسکتا ہے سو ہمیں بھی تیاری کرنی ہوگی لیکن یاد رہے کہ موجودہ تہہ در تہہ تباہی اور اس کے اثرات سے فوری نکلنا ضروری ہے اور براہ راست متاثرین کے ساتھ ساتھ برابر کی سطح پر کمزور ترین طبقوں کی مزید بدحالی کو بھی روکنا ہوگا جس کے لیے صحیح اعداد و شمار کا اکٹھا کرنا، ضرورت کی بنیاد پر اشیاء کی ترسیل اور بحالی کے لیے صنفی بنیادوں پر مبنی ایک مضبوط اور جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس کی ہر سطح پر نگرانی اور احتساب ہوتا کہ لوگ زندگی کے دھارے کو آگے بڑھا پائیں اور ہم "ہمہ وقت دستیاب جنس کے بازار کو بند کر سکیں"۔

(کالم نگار کاؤنسل ممبر، ایچ آر سی پی سندھ ہیں)

پاکستان میں صحافیوں کے قتل میں ملوث 96 فیصد ملزمان کو سزا نہیں دی گئی

اکرام جنیدی

فریڈم نیٹ ورک رپورٹ 'قتل کا میدان: پاکستان میں مقتول صحافیوں کے لیے کوئی انصاف نہیں' کے عنوان سے جاری کی — فائل فوٹو: اے ایف پی

فریڈم نیٹ ورک کی 'سالانہ امپیونٹی رپورٹ 2022' کے مطابق پاکستان میں 2012 سے 2022 کے درمیان ہونے والے صحافیوں کے قتل کے 96 فیصد واقعات میں ملزمان کو کوئی سزا نہیں ملی۔ ڈان اخبار میں شائع رپورٹ کے مطابق 'قتل کا میدان: پاکستان میں مقتول صحافیوں کے لیے کوئی انصاف نہیں' کے عنوان سے رپورٹ صحافیوں کے خلاف جرائم کے لیے استثنٰی کے خاتمے کے عالمی دن سے پہلے جاری کی گئی جو کہ ہر سال 2 نومبر کو منایا جاتا ہے۔

یہ تحقیق صحافیوں کے تحفظ اور ان کے خلاف کیے جانے والے جرائم میں سزا نہ ملنے کے مسئلے پر اقوام متحدہ کے 2012 کے ایکشن پلان کے 10 سال مکمل ہونے کے تناظر میں کی گئی۔ پاکستان نے پہلی بار اکتوبر 2013 میں اس یو این پلان آف ایکشن کی توثیق کی تھی اور بعد ازاں پروٹیکشن میڈیا پروفیشنلز اینڈ جرنلسٹ ایکٹ 2021 پر عمل درآمد کا عزم کیا۔

رپورٹ کے مطابق 2012 سے 2022 کے درمیان 53 پاکستانی صحافیوں کو قتل کیا گیا لیکن ان 53 کیسز میں سے صرف 2 کے مجرموں کو سزا سنائی گئی۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ باقی 96 فیصد مقدمات میں کرمنل جسٹس سسٹم مقتول صحافیوں اور ان کے سوگوار خاندانوں کو انصاف فراہم کرنے میں ناکام رہا۔

فریڈم نیٹ ورک کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر اقبال خٹک نے رپورٹ پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں صحافیوں اور میڈیا کے خلاف جرائم میں سزا نہ ملنا اور استثنٰی بدترین صورتحال اختیار کر رہا ہے اور دھمکیوں کے شکار صحافی ارشد شریف کا کینیا میں حالیہ قتل ہمیں دکھاتا ہے کہ صحافیوں اور پریس کی آزادی کے خلاف جرائم کے مرتکب ملزمان کتنے مضبوط ہو رہے ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 'ناقص تحقیقات کی وجہ سے پولیس بہت سے معاملات میں چالان پیش کرنے میں ناکام رہتی ہے، قانونی کارروائی کے ابتدائی مرحلے میں ہی انصاف کے قتل اور استغاثہ کی نا اہلی کی وجہ سے زیادہ تر مقدمات میں عدالتوں میں ٹرائل ہی مکمل نہیں ہو پاتا'۔

اقبال خٹک نے کہا کہ رپورٹ کے نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں وفاقی سطح اور صوبہ سندھ میں صحافیوں کے تحفظ کے لیے خصوصی طور پر قانون سازی کے باوجود بھی صحافی غیر محفوظ ہیں۔

یہ رپورٹ قتل کیے گئے صحافیوں کے اہل خانہ کے علاوہ ان کے ساتھ کام کرنے والے میڈیا ورکرز، مقامی پریس کلب اور صحافیوں کی تنظیموں سے حاصل کیے گئے ڈیٹا کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہے۔

خطرناک ترین خطے

پاکستان میں 2012 سے 2022 کے درمیان اپنے کام کی وجہ سے قتل کیے گئے 53 صحافیوں میں سے سب سے زیادہ ہلاکتیں سندھ میں ہوئیں، جہاں 16 یا مجموعی تعداد میں سے 30 فیصد صحافیوں کو نشانہ بنایا گیا جب کہ اس کے بعد پنجاب میں 14 یا مجموعی تعداد کے 26 فیصد میڈیا پرسنز کو ہدف بنایا گیا۔

صحافیوں کے بدترین دشمن

مقتول صحافیوں کے اہل خانہ یا ان کے ساتھ کام کرنے والے ساتھیوں کے مطابق 2012 سے 2022 کے دوران نامعلوم افراد پاکستان میں صحافیوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ ثابت ہوئے جب کہ اس زیر جائزہ مدت کے دوران 53 میں سے 15 صحافیوں (یا 28 فیصد) کو نامعلوم ملزمان کی جانب سے نشانہ بنایا گیا۔

رپورٹ کے مطابق منظم جرائم میں ملوث اور عسکریت پسند گروپ صحافیوں کے قتل میں بالترتیب دوسرے اور تیسرے سب سے زیادہ مشتبہ مرتکب ملزمان تھے۔

مہلک غفلت ولاپرواہی

دستیاب اعداد و شمار کے مطابق آدھے سے زیادہ ہدف بنائے گئے صحافیوں نے مبینہ طور پر اپنے میڈیا اداروں، متعلقہ پریس کلب، صحافتی تنظیم یا مقامی حکام کو کسی قسم کی دھمکیوں سے مطلع نہیں کیا۔

ڈیٹا کے مطابق نشانہ بنائے گئے تمام صحافیوں میں سے 10 فیصد سے بھی کم نے اپنے قتل کرنے سے قبل جان سے مارے جانے کی دھمکیاں موصول ہونے سے متعلق اپنے میڈیا اداروں، پریس کلبز، یونین یا مقامی حکام کو آگاہ کیا۔

رپورٹ کے مطابق کچھ کیسز ایسے بھی ہیں کہ جہاں پیشگی انتباہ اور دھمکیاں دستیاب تھیں لیکن وہاں بھی نظام اور متعلقہ اسٹیک ہولڈرز قتل کو روکنے میں ناکام رہے۔ (بشکریہ ڈان)

پشاور میں خواجہ سراؤں پر حملہ

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ (ستمبر 2022)

تعارف

11 ستمبر 2022 کو فائرنگ کے تبادلے میں چار خواجہ سرا اور ایک شخص شدید زخمی ہو گئے۔ اس پرتشدد واقعے کے تمام پہلوؤں کی تحقیقات کے لیے، خیبر پختونخوا (کے پی) میں خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے تناظر میں، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اس معاملے کی مکمل تحقیقات کرنے کا فیصلہ کیا، اور اس مقصد کے لیے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن قائم کیا گیا۔ اس مشن میں ایچ آر سی پی، کے پی کے وائس چیئر اکبر خان، ایچ آر سی پی کے رکن سرفراز خان، اور ایچ آر سی پی کے عملے کے ارکان اسماخان اور شاہد محمود شامل تھے۔ مشن نے جمعرات 15 ستمبر 2022 کو حقائق تلاش کرنے کی مشق شروع کی۔

واقعہ کی تفصیلات

موصول شدہ اطلاعات کے مطابق نیز 11 ستمبر 2022 کو درج کی گئی ابتدائی اطلاعاتی رپورٹ کے مطابق 11 ستمبر کو رات کے ساڑھے بارہ بجے ملزمان، نعمان سکندر (ساکن شاہ معصوم کوتوالی)، اعجاز (ساکن گل بہار)، اور جو جی (ساکن رحمان بابا)، نے رنگ روڈ پر کبوتر چوک کے قریب مبینہ طور پر ایک کار پر فائرنگ کی۔ کار میں پانچ افراد سوار تھے: حسینہ پٹھانی، ڈولفن آیان، نینا اور شینا نامی چار خواجہ سرا اور فیضان نامی ڈرائیور۔ فائرنگ سے زخمی ہونے والے تمام افراد کو جائے وقوعہ پر پہنچنے والے پولیس اہلکار لیڈی ریڈنگ اسپتال لے گئے۔ تین خواجہ سراؤں اور ڈرائیور کو ضروری طبی امداد دینے کے بعد اسی دن ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔ جبکہ نینا جس کی حالت سنگین تھی، کو اسپتال میں داخل کرایا گیا، اور بعد میں انتہائی نگہداشت یونٹ (آئی سی یو) میں منتقل کر دیا گیا۔

کے پی کے محکمہ انسانی حقوق سے ملاقات

واقعے کے بعد فیکٹ فائنڈنگ مشن نے 15 ستمبر 2022 کو محکمہ انسانی حقوق کے ڈائریکٹر کاشف کمال اور ڈپٹی ڈائریکٹر مقصود خان سے ملاقات کی۔ مشن کو بتایا گیا کہ محکمہ ایسے کسی بھی معاملے کا ازخود نوٹس لے سکتا ہے اور اگر پولیس وقوعہ کی ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کرے تو متاثرہ فرد کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ تاہم ان کے پاس اخباری رپورٹس کے علاوہ، اِس واقعے کے بارے میں مکمل معلومات نہیں تھیں۔ ڈائریکٹر کے مطابق، محکمہ اس وقت تک قانونی کارروائی نہیں کر سکتا جب تک کہ کوئی خاص طور پر اس کی درخواست نہ کرے۔ ڈائریکٹر کے مطابق محکمہ کو قائم ہونے کے بعد سے خواجہ سراء افراد کے خلاف تشدد سے متعلق ایک بھی درخواست موصول نہیں ہوئی۔

پشاور پولیس سے ملاقات

اس کے بعد فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے پشاور پولیس کے آپریشنز کے سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ایس ایس پی) سے تفصیلی ملاقات کی۔ پہاڑی پورہ پولیس اسٹیشن کا عملہ (جس کی حدود میں یہ واقعہ پیش آیا)، بشمول ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ڈی ایس پی)، انسپکٹر، سب انسپکٹر، اور اسٹیشن ہاؤس آفیسر (ایس ایچ او) بھی موجود تھے۔ بات چیت صرف اِس واقعے تک ہی محدود نہیں تھی، بلکہ عام طور پر کے پی میں خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کا رجحان بھی زیر بحث آیا۔

وہاں موجود پولیس عملے کے مطابق 11 ستمبر کی رات ساڑھے 12 بجے کے قریب انہیں اطلاع ملی کہ کبوتر چوک کے قریب ایک کار پر حملہ ہوا ہے۔ جس کے بعد پولیس فوری طور پر جائے وقوعہ پر پہنچی اور 40 گولیاں برآمد کیں۔ ایس ایچ او نے ٹیم کو بتایا کہ عینی شاہدین کے مطابق حملہ آور کی گاڑی میں تین خواجہ سراء موجود تھے، اُن تین افراد کے علاوہ جن پر گاڑی پر فائرنگ کا الزام تھا۔ جبکہ ملزمان فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، تاحال کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ پولیس نے زخمیوں کو فوری طور پر لیڈی ریڈنگ اسپتال منتقل کیا۔ ایس ایس پی کا مزید کہنا تھا کہ ملزمان کے گھروں پر چھاپے مارنے کے لیے مختلف ٹیمیں تشکیل دی گئی تھیں، تاہم ان کے مقامات کو تالے لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ جلد ہی ملزمان کو گرفتار کر لیں گے۔

پولیس عملے کے مطابق، خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے واقعات میں عام طور پر ان کے اپنے 'بوائے فرینڈز' (یا پشتو میں 'مارخ') شامل ہوتے ہیں، کیونکہ وہ مبینہ طور پر پیسوں کی خاطر بوائے فرینڈ بدلتے رہتے ہیں۔ مشن کے ایک رکن نے اس مروجہ تاثر کی نشاندہی کی کہ خواجہ سراؤں کو اکثر 'غیرت' کے نام پر ان کے اپنے خاندانوں کی طرف سے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جس پر ایک پولیس اہلکار نے جواب دیا کہ گزشتہ 22 سالوں میں ایسا صرف ایک واقعہ پیش آیا ہے، جس میں ایک خواجہ سرا کو ان کے خاندان نے قتل کر دیا تھا۔

11 ستمبر کے واقعے کے بارے میں، ایس ایس پی نے کہا کہ زخمی خواجہ سرا ابتدائی طور پر ایف آئی آر درج کرنے سے ہچکچا رہے تھے، لیکن پولیس کے کچھ سمجھانے کے بعد ایف آئی آر میں ملزمان کے نام بتائے۔ واقعے میں شامل تمام خواجہ سراؤں نے اپنے بیانات قلمبند کرائے۔

پولیس نے دعویٰ کیا کہ کے پی میں خواجہ سرا افراد مرکزی دھارے اور سوشل میڈیا دونوں میں کوریج حاصل کرنے کے بعد سے ایک 'منظم مافیا' بن چکے ہیں۔ مزید یہ کہ خواجہ سراؤں کے خلاف ہراساں کیے جانے کے 15 سے 20 کیسز جیسے کہ بھتہ خوری، جنسی زیادتی اور دھمکیاں پولیس کو روزانہ رپورٹ ہوتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ پشاور میں زیادہ تر خواجہ سرا رات کے وقت فقیر آباد کے اقبال پلازہ میں جمع ہوتے تھے (ان میں سے کچھ وہاں رہتے ہیں) جہاں لوگ انہیں دیکھنے آتے تھے، جو ایک طرح کا 'تفریحی شو' بن جاتا تھا۔ پولیس حکام نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو تین خط لکھ کر اقبال پلازہ کو بند کرنے کا کہا تاکہ تشدد کے کسی بھی واقعے سے بچا جا سکے، تاہم انہیں ابھی تک ڈپٹی کمشنر دفتر سے کوئی ہدایات موصول نہیں ہوئیں۔

پولیس نے مشن کو یہ بھی بتایا کہ سامعین کے لیے گانے اور رقص کے لیے مدعو کیے گئے خواجہ سرا افراد نے ہر تقریب سے دو سے تین لاکھ روپے تک کمائے۔ ہر بار جب کسی خواجہ سرا نے سالگرہ منائی تو انہوں نے 10 لاکھ سے 20 لاکھ روپے تک جمع کیے، اور اس طرح کی تقریبات پر لاکھوں روپے خرچ کیے گئے۔ پولیس نے دعویٰ کیا کہ دیگر صوبوں کے مقابلے میں جہاں خواجہ سراؤں کو زیادہ تر بھیک مانگتے دیکھا گیا، کے پی میں خواجہ سرا نسبتاً خوشحال ہیں اور ایک بھی بھیک مانگتے نہیں دیکھا گیا۔ فقیر آباد ماڈل تھانے کے ایس ڈی پی او (ڈی ایس پی) نے مزید الزام لگایا کہ صوبے میں خواجہ سراؤں نے منشیات فروشوں اور مافیاز کو تحفظ بھی فراہم کیا ہے۔

ایس ایس پی آپریشنز نے فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کو یقین دلایا کہ کے پی پولیس کے انسپکٹر جنرل نے مجرموں کی گرفتاری کے لیے خصوصی ہدایات جاری کی ہیں۔

لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے عملے سے ملاقات

فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے متاثرین سے بات کرنے کے لیے اسپتال کا دورہ بھی کیا۔ آرزو خان پولیس ڈسپیوٹ سیٹلمنٹ کمیٹی کی رکن اور خوجہ سراؤں کے حقوق کی تنظیم منزل

فاؤنڈیشن کی صدر ہیں۔ وہ نینا سے بات کرنے میں ٹیم کی مدد کرنے کے لیے وہاں موجود تھیں۔ تاہم، نینا اپنے زخموں کی وجہ سے بولنے سے قاصر تھی۔ اس کے بعد ٹیم نے فزیوتھراپسٹ زویا صدیقی سے ملاقات کی جو نینا کے علاج کی نگرانی کر رہی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ نینا کو اس کے بائیں اور دائیں کندھوں اور ٹانگوں کے بالائی حصوں پر چار گولیاں لگی تھیں: اس کے فیمر کو نقصان پہنچا تھا اور اس کا ایک گردہ شدید متاثر ہوا تھا۔ ڈاکٹر اس کا آپریشن کرنا چاہتے تھے، لیکن آپریشن سے پہلے نینا نے ضروری ڈائیلاسز کروانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت اس کی حالت کے بارے میں مزید بہتر معلومات دینے کے لیے کوئی ڈاکٹر موجود نہیں تھا۔

ٹیم نے لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے ڈائریکٹر بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر محمد ابرار خان سے بھی ملاقات کی۔ ان کے مطابق نینا کو تشویشناک حالت کے باعث آئی سی یو میں منتقل کیا گیا تھا، تاہم اب وہ خطرے سے باہر تھی۔ پولیس کا ایک سیکیورٹی اہلکار بھی ان کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔ ٹیم کو مزید بتایا گیا کہ نینا کا مفت علاج کیا جا رہا ہے۔

جب ٹیم نے آرزو خان سے واقعے کے بارے میں مزید جاننے کی کوشش کی تو اس نے دعویٰ کیا کہ وہ مجرموں سے بالکل لاعلم ہے اور نہ ہی اس نے ان کے نام ظاہر کیے۔ اس کے بعد ٹیم نے انہیں واقعے میں زخمی ہونے والے دوسرے خواجہ سراء افراد سے ملوانے کو کہا، لیکن آرزو خان نے اگلے دن (جمعہ 16 ستمبر 2022) کو فون کیا کہ انہوں نے ٹیم سے ملنے یا کوئی بیان دینے سے انکار کر دیا ہے۔ پیر 19 ستمبر 2022 کو، آرزو خان نے ایچ آر سی پی کے ریجنل کوآرڈینیٹر کو بتایا کہ نینا نے کسی بھی این جی او کے لوگوں سے ملنے سے سختی سے انکار کر دیا ہے۔ تاہم، آرزو خان نے اگلے دن ایچ آر سی پی کے پشاور دفتر آنے پر رضامندی ظاہر کی۔

ایچ آر سی پی کے پشاور دفتر میں آرزو خان سے ملاقات

آرزو خان اور فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کے دو ممبران شاہد محمود اور اسما خان کے درمیان 20 ستمبر 2022 کو ایچ آر سی پی کے پشاور دفتر میں ایک تفصیلی ملاقات ہوئی۔ مشن کے دیگر ممبران اس ملاقات میں شرکت نہیں کر سکے تھے۔ ملاقات میں روبی نامی ایک اور خواجہ سرا اور ان کے معاون نبیل بھی موجود تھے۔ آرزو خان کے مطابق فائرنگ سے زخمی ہونے والے خواجہ سراؤں کو چارسدہ میں ہونے والی ایک شادی میں رقص کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ لیکن پرفارمنس منسوخ کر دی گئی تھی کیوں کہ جلسہ گاہ پر ایک بڑا ہجوم جمع ہو گیا تھا، جس سے خواجہ سراء خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہے تھے۔ وہ شادی سے فارغ ہو کر پشاور جا رہے تھے۔ کار جونہی کبوتر چوک پہنچی یہ واقعہ پیش آیا۔ آرزو خان نے الزام لگایا کہ نینا کا مجرموں کے ساتھ دیرینہ تنازعہ تھا۔ اس واقعے سے پہلے وہ کئی بار اس کی پرفارمنس پر حملہ کر چکے ہیں۔

مرکزی ملزم اعجاز نے نینا سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اسے اپنی ٹیم کی ایک جونیئر رکن روشنی کے ساتھ جسمانی تعلقات استوار کرنے کے لیے مدد فراہم کرے۔ اگر وہ اس کے لیے رضامند نہ ہوئی تو وہ اس سے زبردستی پچاسی لاکھ روپے لے گا (اس نے یہ واضح نہیں کیا کہ یہ رقم کیوں مانگی گئی تھی)۔ نینا نے اس کے مطالبات کو مسترد کر دیا تھا، اور اعجاز کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی، جسے اس وقت پولیس نے گرفتار کر لیا تھا، عدالت نے سزا سنائی تھی اور جیل بھیج دیا تھا۔ 10 ماہ جیل میں گزارنے کے بعد اعجاز نے نینا کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے لیے جیل سے ایک جرگہ (ثالث) بھیجا تھا اور کہا تھا کہ وہ اپنے مطالبات ترک کرنے اور مصالحت کرنے کے لیے تیار ہے، اور اپنے بھائی مسلم خان کو ضامن کے طور پر پیش کیا۔ خوف اور دباؤ کی وجہ سے نینا نے جرگے کے سامنے ملزمان کے ساتھ تصفیہ پر رضامندی ظاہر کی، جس کے بعد اعجاز کو اس واقعے سے ایک ہفتہ قبل جیل سے رہا کیا گیا تھا۔ اس ہفتے کے اندر، اس نے نینا کو دوبارہ دھمکیاں دینا شروع کر دیں، جس کے بعد اس نے ایک بار پھر اعجاز کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی۔ تاہم آرزو خان کے مطابق ایف آئی آر درج ہونے کے بعد پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

آرزو خان نے دعویٰ کیا کہ جب بھی خواجہ سرا سماجی اجتماعات میں ڈانس کرنے جاتے ہیں تو وہ پولیس کو پیشگی اطلاع دیتے، اور میزبان کے قومی شناختی کارڈ کی نقول ضمانت کے طور پر تھانے میں پیش کرتے ہیں۔ اس نے الزام لگایا کہ پولیس ان معلومات کا استعمال ہر تقریب کے بعد خواجہ سراؤں سے پیسے بٹورنے کے لیے کرتی ہے۔ پولیس کو نینا کے ڈانس پرفارمنس کے بارے میں پہلے سے اطلاع تھی، لیکن اس کے باوجود گروپ کو نشانہ بنایا گیا۔ آرزو خان نے کہا کہ خواجہ سراؤں کو تحفظ فراہم کرنا پولیس کی ذمہ داری ہے، اور یہ واقعہ پولیس کی نااہلی کے باعث پیش آیا۔

ماحصل

صورتحال کا جائزہ لینے اور متعلقہ فریقین سے بات کرنے کے بعد، ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے نتیجہ اخذ کیا کہ 11 ستمبر کا واقعہ نینا اور ملزم اعجاز کے درمیان پرانے ذاتی تنازعہ کا نتیجہ تھا۔ اعجاز نینا سے مطالبہ کر رہا تھا کہ وہ اسے اپنی جونیئر ٹیم ممبر، روشنی کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرنے کی اجازت دے۔ امکان ہے کہ اس جھگڑے کی وجہ سے اعجاز کو جیل میں قید بھگتنے کی وجہ سے رنجش ہو جس کے سبب اس نے بدلہ لینے کے لیے نینا اور اس کی ٹیم پر فائرنگ کر دی۔ تاہم، ان کے مشاہدات کی بنیاد پر، خاص طور پر پولیس کے تعصّبات، جس کا فرض ہے کہ وہ ایسے معاملات کی بغیر کسی تعصب کے تفتیش کرے، کو مدنظر رکھتے ہوئے، فیکٹ فائنڈنگ ٹیم خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے واقعات سے نمٹنے کے لیے کچھ قلیل مدتی اور طویل مدتی سفارشات پیش کرنا چاہے گی۔

سفارشات

1 پولیس کی ذمہ داری ہے کہ وہ 11 ستمبر کے واقعے کے ملزمان کو جلد از جلد گرفتار کرے اور قانون کے مطابق کارروائی کرے۔

2 خواجہ سراؤں کے حوالے سے پولیس میں صنفی حساسیت انتہائی کم ہے۔ انہیں فوری اور موثر تربیت کی ضرورت ہے۔ اگرچہ پشاور میں سنٹرل پولیس دفتر میں صنفی مساوات کا سیل اور انسانی حقوق کا سیل موجود ہے، تاہم خواتین اور خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں ادارے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائیں۔

3 پولیس کو خواجہ سراؤں سے پیسے لینے کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے، اور ایسا کرنے پر سزا دی جائے۔

4 کے پی کی صوبائی کابینہ نے خواجہ سراؤں کی فلاح و بہبود کے لیے ایک بل کا مسودہ تیار کیا ہے، لیکن اسے ابھی تک اسمبلی سے منظور نہیں کیا گیا۔ اس بل کو مزید وقت ضائع کیے بغیر منظور کیا جائے، تا کہ خواجہ سراؤں کی فلاح و بہبود کے منصوبے شروع ہو سکیں۔

5 مذہبی سیاسی جماعتیں اس ایکٹ کے بارے میں غلط معلومات پھیلا کر خواجہ سراء (حقوق کا تحفظ) ایکٹ 2018 کو متنازعہ بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ صوبائی اسمبلی کے لیے اس موضوع پر صوبائی قانون سازی کے لیے کھڑے ہونے کا یہ مناسب وقت ہے۔

6 حکومت کو خواجہ سراؤں کے STD/HIV کے ٹیسٹ باقاعدگی سے کروانے چاہئیں، خاص طور پر ٹرانس سیکس ورکرز میں ایسی بیماریوں کے خطرے کے پیشِ نظر۔

7 کے پی چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر کمیشن جو کہ ایک صوبائی حکومت کا ادارہ ہے، کو 18 سال سے کم عمر کے خواجہ سراؤں کی رجسٹریشن شروع کرنی چاہیے۔

ایچ آر سی پی کی میڈیا مانیٹرنگ سے متعلق تجزیاتی رپورٹ

(جولائی تا ستمبر 2022)

انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں جیسے کہ صنف کی بنیاد پر تشدد یا پولیس کی زیادتیوں جیسے واقعات پر کوائف اکٹھا کرنے، ان کی درجہ بندی کرنے اور انہیں آن لائن کرنے کی غرض سے ایچ آر سی پی 15 اخبارات اور 2 نیوز ویب سائٹس پر نظر رکھتا ہے۔ ایچ آر سی پی کی میڈیا مانیٹرنگ کے مطابق، جولائی سے ستمبر 2022 کے دوران رپورٹ ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں سے بیشتر جنسی تشدد سے متعلق تھیں۔ جنسی تشدد کے 529 واقعات رپورٹ ہوئے جبکہ اس کے بعد زیادہ واقعات خودکشیوں کے تھے جن کی تعداد 449 تھی۔

قانون کا نفاذ

☆ زیرِ نظر مدت کے دوران، 18 واقعات میں 22 لوگوں کو موت کی سزا سنائی گئی جن میں ایک عورت شامل تھی (جدول نمبر 1 ملاحظہ کریں)

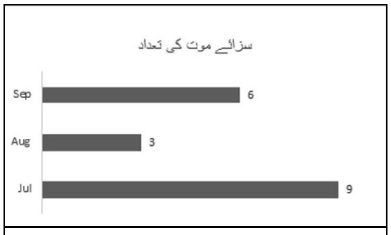

جدول-1

☆ ان میں سے تیرہ سزائیں پنجاب میں ہوئیں۔

☆ 16 سزائیں سیشنز کورٹس جبکہ 2 انسدادِ دہشت گردی کی عدالتوں نے سنائیں۔

امنِ عامہ

☆ زیرِ نظر مدت کے دوران، ایچ آر سی پی نے پولیس کے مظالم کے رپورٹ شدہ 28 واقعات رقم کیے، ان میں زیرِ حراست قتل، زیرِ حراست تشدد، حراست سے ماورا قتل اور طاقت کا بے جا استعمال تھا۔ کم از کم 39 افراد ان مظالم کا نشانہ بنے جن میں آٹھ عورتیں اور ایک بچہ شامل تھے۔ ایک ایسے واقعے میں، ضلع گھوٹکی، ڈھرکی، سندھ میں پولیس کے تشدد سے تنگ آ کر ایک شخص نے خودکشی کر لی تھی۔

☆ پولیس مقابلوں کے بھی 86 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں کم از کم 122 افراد ہلاک ہوئے۔ ایسے زیادہ تر واقعات پنجاب میں پیش آئے۔

پسے ہوئے طبقوں پر تشدد

☆ اس عرصہ کے دوران گھریلو تشدد کے کم از کم 51 واقعات رپورٹ ہوئے (جدول 2 ملاحظہ کریں)۔

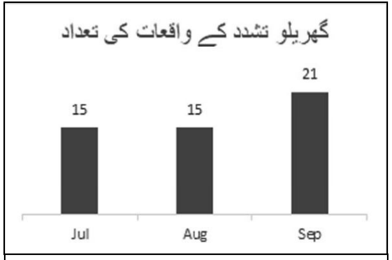

جدول-2

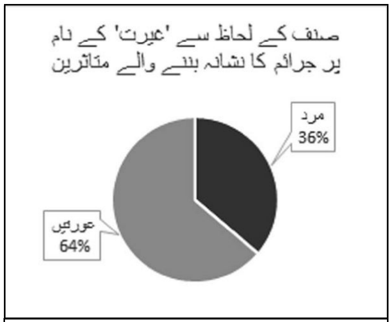

جدول-3

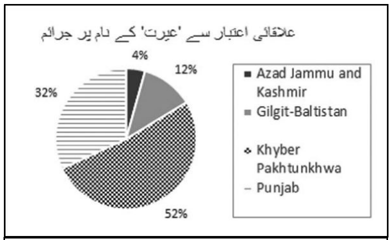

جدول-4

☆ کم از کم 57 عورتوں بشمول 49 عورتیں اور چھ عورتیں تشدد کا نشانہ بنیں۔ زیادہ واقعات مار پیٹ اور اقدامِ قتل پر مشتمل تھے۔

☆ اس عرصہ کے دوران، 'غیرت' کے نام پر جو جرائم رپورٹ ہوئے ان کی تعداد 116 تھی جن میں 149 لوگ نشانہ بنے۔ 'غیرت' کے نام پر جرائم سے مراد ایسے جرائم ہیں جن میں خاندانی غرور یا خاندان کی 'توقیر' کی حفاظت کی خاطر خاندان یا قبیلے کے رکن کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

☆ اس عرصہ کے دوران، جنسی تشدد کے 529 کیسز رپورٹ ہوئے۔

☆ ان میں سے زیادہ تر واقعات پنجاب میں پیش آئے۔ ان میں آن لائن ہراسانی کے 19 واقعات، اجتماعی جنسی زیادتی کے 125 واقعات، ہراسانی کے 54 واقعات اور جنسی زیادتی کے 325 واقعات شامل تھے۔

☆ خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے چار واقعات رپورٹ ہوئے۔ ان میں سے ایک واقعہ اجتماعی جنسی تشدد اور ایک جنسی تشدد کا تھا (جدول 5 ملاحظہ کریں)۔

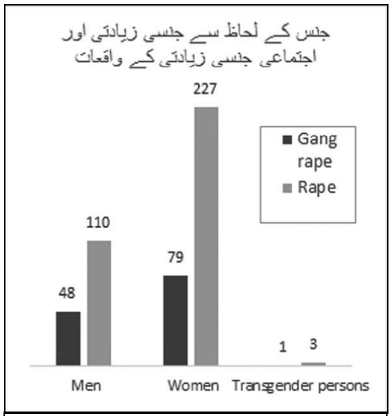

جدول-5

☆ جنسی زیادتی کے متاثرین کی اکثریت بچوں پر مشتمل تھی (جدول 6 ملاحظہ کریں)۔

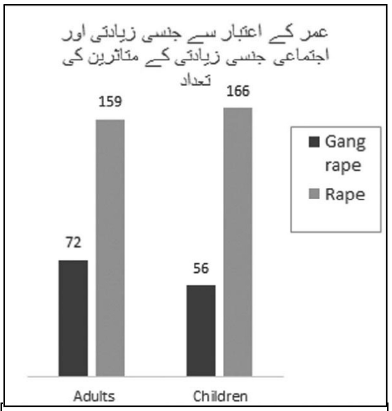

جدول-6

بچوں کو جسمانی سزا کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ ایسے کم از کم تین واقعات رپورٹ ہوئے، اور بچوں کی شادی کے کم از کم چھ واقعات رپورٹ ہوئے۔

☆ اس عرصہ کے دوران، جلانے کے 21 واقعات رپورٹ ہوئے۔ زیادہ تر واقعات پنجاب میں پیش آئے جن میں نو واقعات تیزاب پھینکا گیا تھا۔ کم از کم 25 عورتیں اور ایک لڑکی متاثرین میں شامل تھی۔

☆ اس عرصہ کے دوران، عورتوں کے اغواء کے 250 واقعات رپورٹ ہوئے۔ ان میں سے بیشتر واقعات (220) پنجاب میں پیش آئے۔

بنیادی آزادیاں

☆ اس عرصہ کے دوران، سندھ میں مذہب کی جبری تبدیلی کا کم از کم ایک واقعہ پیش آیا اور گلگت بلتستان سے فرقہ وارانہ تشدد کا ایک واقعہ رپورٹ ہوا۔

☆ چنیوٹ، پنجاب میں عقیدے کی بنیاد پر پیش آنے والے ایک واقعے میں، اطلاعات کے مطابق ایک احمدی پر تیز دھار آلے سے حملہ کیا گیا۔

☆ کم از کم چھ ایسے واقعات رپورٹ ہوئے جن میں مذہب کی بے حرمتی پر لوگ گرفتار ہوئے۔

☆ اس عرصہ کے دوران، توہین رسالت کے جرم میں دو افراد کو سزائے موت سنائی گئی

صحت

☆ اس عرصہ کے دوران، خودکشی کے 449 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں سے 73 خودکشی کی ناکام کوشش سے متعلق تھے۔ ان واقعات میں 310 عورتوں اور 142 مرد متاثرین میں شامل تھے۔

(جدول 7 ملاحظہ کریں)

☆ خودکشی کے سب سے زیادہ واقعات پنجاب اور سندھ سے رپورٹ ہوئے جبکہ پختونخوا اس حوالے سے تیسرے نمبر پر رہا۔

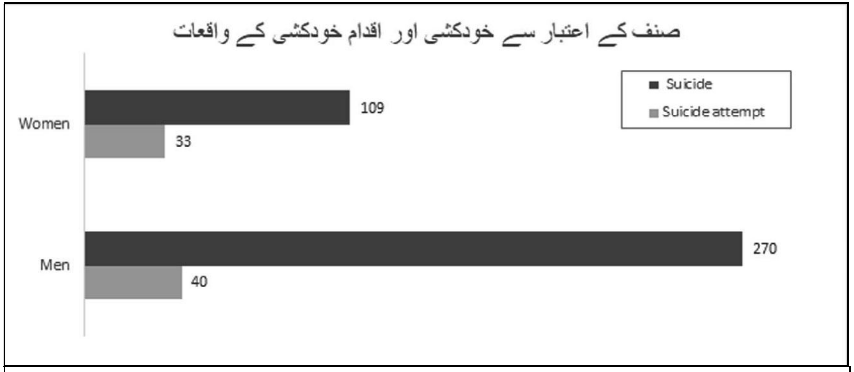

جدول۔ 7

پولیس چادر و چاردیواری کا تقدس پامال نہ کرے

خیبر ضلع خیبر تحصیل باڑہ شلوبر قومی کونسل اور شلوبر قومی سریشتہ نے پشاور پولیس کا بغیر وارنٹ اور بغیر لیڈی سرچر گھروں پر رات کی تاریکی میں غیر قانونی چھاپوں اور چادر و چاردیواری کی تقدس کی پامالی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے آئی جی پولیس اور وزیر اعلی خیبر پختونخوا سے ملوث اہلکاروں کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کیا۔ باڑہ پریس کلب میں پرہجوم پریس کانفرنس میں شلوبر قومی کونسل کے چیئرمین عبدالغنی آفریدی، صدر بازار گل، اصغر خان، شلوبر سرشتہ کے مشران زورا دین، حمید ماما، محمد خان، چراغ آفریدی، خلیل الرحمن اور جاوید آفریدی سمیت بڑی تعداد میں عمائدین و نوجوان بھی اس موقع پر موجود تھے۔ قبیلہ شلوبر کے مشران نے پریس کانفرنس میں حالیہ غیر قانونی اور غیر آئینی چھاپوں کی پرزور مزمت کرتے ہوئے کہا کہ ملوث اہلکاروں کے خلاف کارروائی کی جائے بصورت دیگر قبیلہ شلوبر کے عوام اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو قبیلہ شلوبر احتجاج پر مجبور ہوں جائیں گے جس کی نتیجے میں تمام تر نقصان کی ذمہ داری ضلعی انتظامیہ اور پولیس فورس پر عائد ہوگی۔

(مسعود شاہ)

شہید صحافی کے قاتلوں کی گرفتاری اور پسماندگان کو شہدا پیکج کی ادائیگی کا مطالبہ

جنوبی وزیرستان شہید صحافی ڈاکٹر زمان محسود برسی ڈسٹرکٹ پریس کلب جنوبی وزیرستان میں بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ منائی گئی۔ قبائلی صحافی زمان محسود کی شہادت کو 7 سال گزر گئے مگر نہ قاتل گرفتار ہوئے اور نہ شہداء پیکیج ملا، ڈسٹرکٹ پریس کلب جنوبی وزیرستان میں زمان محسود کی یاد میں شمع روشن کئے گئے۔ شہید صحافی زمان محسود کی ساتویں برسی جنوبی وزیرستان سے تعلق رکھنے والے صحافیوں کے زیر اہتمام منائی گئی اور شمعیں روشن کئے گئے، اس موقع پر صحافیوں کا کہنا تھا کہ زمان محسود شہید ہوئے سات سال گزرنے کے باوجود نہ ہی قاتل گرفتار ہوئے نا نشاندہی ہوئی، نہ شہداء پیکج اور نہ ہی حکومت کی طرف سے کوئی مراعات دیے گئے۔ یاد رہے کہ شہید صحافی زمان محسود کو 3 نومبر 2015 کو خیبر پختونخواہ کے ضلع ٹانک میں نامعلوم افراد نے شہید کیا تھا شہید صحافی زمان محسود کو "گومل" گھر سے ٹانک شہر جاتے ہوئے کوٹ قلعہ کے قریب فائرنگ کرکے شہید کیا گیا تھا۔

(منظور آفریدی)

توہین مذہب کے نام پر معذوری سے متاثر نوجوان کا قتل

ثاقب قریشی

انسانی معاشرہ قوس وقزح کی مانند ہوتا ہے۔امیر غریب، بوڑھے جوان، صحت مند بیمار، کالے گورے، مختلف فرقے، قومیں اور مذاہب سے مل کر یہ قوس وقزح مکمل ہوتی ہے۔جن معاشروں میں انسانی حقوق، آزادی اور اظہار کا خیال رکھا جاتا ہے۔وہ معاشرے قوس وقزح کے سات رنگوں جیسے دکھتے ہیں۔پھر ان رنگوں کے جھرمٹ کو ساری دنیا دیکھ کر لطف اندوز ہوتی ہے۔جن معاشروں میں غیر جمہوری اور غیر انسانی رویوں کی ملاوٹ کی جاتی ہے وہاں رنگوں کی پٹی نہیں بن پاتی۔ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں بنیادی فرق انہی چیزوں کا ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی جن قوموں اور بادشاہوں نے ان بنیادی اصولوں کا خیال رکھا وہ سلطنتیں نا صرف قائم رہیں بلکہ خوب پھلیں پھولیں۔انسانی تاریخ میں ایسی بہت سی قومیں گزری ہیں، جو وسائل اور بڑی بڑی فوجی طاقتیں رکھنے کے باوجود وقت سے پہلے ختم ہوگئیں۔مغلوں نے برصغیر جیسے غیر اسلامی خطے پر سینکڑوں سال حکومت کی۔مغل سلطنت اس وقت تک پھلتی پھولتی رہی جب تک یہ ہندوستان میں رہنے والی باقی قوموں کے ساتھ انصاف کرتی رہی۔جب انھوں نے مسلم ریاست بننے کی کوشش کی تو انکے خلاف بغاوتیں شروع ہوگئیں۔سلطنت عثمانیہ بھی اسی وجہ سے لمبے عرصے تک زمین کے بڑے حصے پر حکومت کرتی رہی۔

صنعتی انقلاب سے قبل انسان مفلسی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔معیار زندگی نہ ہونے کے برابر تھا۔پسند نہ پسند تصور نہیں تھا۔دو وقت کی روٹی اسکے لیے سب کچھ ہوا کرتی تھی۔صنعتی انقلاب کے بعد انسان خوشحال ہونا شروع ہوا۔اسکے لائف اسٹائل میں بہتری آئی۔تعلیم اور ہنر عام ہونے کے ساتھ مقابلے کا رجحان بڑھا۔جس کی وجہ سے انسان کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔زمین کے وسائل تیزی سے کم ہو رہے ہیں۔وسائل کی کمی کی وجہ سے مقابلہ سخت سے سخت ہوتا چلا جارہا ہے۔پچھلی صدی میں گھر کا ایک بندہ نوکری کرتا تھا اور سارے بیٹھ کر کھاتے تھے۔لیکن وسائل کی کمی اور مقابلے کے رجحان کی وجہ سے گھر چلانے کیلئے اب گھر کے ہر فرد کو کام کرنا پڑتا ہے۔ترقی یافتہ ممالک میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔دونوں مل کر گھر کا نظام چلاتے ہیں۔متوازن معاشرے اور مقابلے کی فضاء کو بھانپتے ہوئے ان ممالک نے معذور افراد کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑنے کی بجائے انکے لیے اتنی آسانیاں پیدا کی ہیں کہ آج ان ممالک کے معذور افراد بھی ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔انڈیا کے معذور افراد دنیا کی بڑی آئی-ٹی کمپنیوں میں کام کر کے ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔

عباس کا تعلق سندھ کے علاقے گھوٹکی سے تھا۔پیدائشی دونوں ہاتھوں سے محروم تھا۔عباس زندگی کے تمام امور پیروں سے سرانجام دیتا تھا۔نوکری نہ ملنے کے باوجود عباس نے کبھی بھیک نہیں مانگی، پیروں کی مدد سے چھوٹے موٹے کام کرتا رہتا تھا۔درگاہوں پر جانے کا بہت شوقین تھا، کچھ عرصہ قبل ایک نجی چینل پر عباس کی ویڈیو بھی چلی جس میں وہ حکومت سندھ سے سرکاری نوکری کا مطالبہ کرتا نظر آیا۔

چند روز قبل ایک نوجوان نے توہین مذہب کے الزام میں عباس کو خوب مارا، پھر پٹرول چھڑک کر آگ لگادی۔ہاتھوں سے محروم عباس اپنی جان بچانے کیلئے بھاگا اور ایک ندی میں چھلانگ لگادی۔نوجوان کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہُوا، نہر میں اتر کر اس نے عباس کو پانی میں ڈبونا شروع کر دیا۔ایک لڑکا واقعے کی ویڈیو بناتا رہا۔ویڈیو میں ایک عورت کی آواز سنائی دیتی ہے۔وہ اس سے پوچھتی ہے کہ تم اسے کیوں مار رہے ہو۔لڑکا پہلے سوچتا ہے۔آئیں بائیں شائیں کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ اس نے خدا کے بارے میں غلط الفاظ استعمال کیئے ہیں۔پھر کہتا ہے کہ رسول پاک کیلئے بھی غلط کلمات استعمال کیئے ہیں اس لیے مار رہا ہوں۔پھر عباس کی لاش کو بالوں سے پکڑ کر مزید ڈبکیاں لگاتا ہے۔افسوس اس بات کا ہے کہ عباس کو کسی ویرانے میں نہیں بلکہ عوام کے سامنے بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔لوگ ویڈیو بنانے رہے، قاتل کو نہ مارنے کا کہتے رہے لیکن بچانے کی کسی نے زحمت گوارا نہیں کی۔میڈیا کا ہماری زندگی میں اتنا اہم کردار ہے کہ اگر میڈیا پر سکول یا مدرسے کے بچے پر تشدد کی ویڈیو وائرل ہو جائے، تو پورے ملک میں بچوں پر تشدد کے حوالے سے غم و غصے کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔پرائیویٹ سکول ایسوسی ایشن سکولوں میں تشدد کے حوالے سے قوانین کو مزید سخت کر دیتی ہے۔اسی طرح گھریلو ملازم پر تشدد کا کوئی واقعہ میڈیا پر نشر ہو جائے تو ملازمین کے حقوق کی بات شروع ہو جاتی ہے۔حکومتیں ایسی ہی ہوتی ہیں میڈیا کا کام مسائل کی نشاندہی کر کے عوام میں شعور بیدار کرنا ہوتا ہے۔حکومت کو دباؤ میں لانے کا سب سے موثر ہتھیار میڈیا ہے۔

ہمارے مُلک کی بیس فیصد آبادی افراد باہم معذوری پر مشتمل ہے۔جو کہ انتہائی کمپلیسری کی زندگی گزار رہی ہے۔پسماندگی کا یہ عالم ہے کہ زیادہ تر جسمانی معذور افراد چالیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی خدا کو پیارے ہو جاتے ہیں۔سرکاری اور پرائیویٹ سکولوں میں معذوری سے متاثر بچوں کو داخلہ نہیں دیا جاتا۔سپیشل ایجوکیشن کے سکول ایک تو ضرورت سے بہت کم ہیں پھر انکا معیارِ تعلیم اتنا پست ہے کہ اکثر لوگ سپیشل ایجوکیشن کے سکولوں کے تعلیمی معیار سے سخت نالاں ہیں۔سکول، کالج، مساجد، دفاتر، شاپنگ سینٹر، تفریحی مقامات، کہیں پر بھی رسائی کے مناسب انتظامات نہیں ہیں۔

ہمارا میڈیا افراد باہم معذوری کو انسان اور انکے مسائل کو انسانی مسائل نہیں سمجھتا، اس لیے عوام میں معذور افراد کے حقوق کے حوالے سے شعور کا فقدان پایا جاتا ہے اور نہ ہی حکومت پر کوئی دباؤ نظر آتا۔

توہین مذہب کی یہ خبر میں نے کسی چینل اور اخبار میں نہیں پڑھی جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مرنے والا غریب فرد باہم معذوری تھا۔افراد باہم معذور افراد ہماری معیشت پر گیارہ ارب ڈالر سے زیادہ کا بوجھ ہیں جن کی فلاح وبہود کے بغیر ملک ترقی نہیں کرسکتا۔

میں تعلیم یافتہ معذور ہوں۔بڑے نجی گروپ میں ملازمت کر رہا ہوں۔افراد باہم معذوری کے حقوق پر سب سے زیادہ کالمز میں نے لکھے ہیں۔میری تحریروں کو پڑھنے کے بعد امریکہ اور یورپ سے تعلق رکھنے والے بہت سے پاکستانیوں نے ملک میں بسنے والے افراد باہم معذوری کی فلاح کیلئے ادارے قائم کیے ہیں۔وطن عزیز میں افراد باہم معذوری کے حقوق کے حوالے سے جتنی آگہی عام ہوئی ہے، اس کی بڑی وجہ میری تحریریں ہیں۔خواجہ سراؤں کے حقوق پر بھی سب سے زیادہ تحریریں میں نے لکھی ہیں۔خواجہ سراؤں کے حقوق کے حوالے سے بھی آج جتنی آگہی پائی جاتی ہے اس میں میرا اہم ترین کردار ہے۔میں ٹیکس بھی دیتا ہوں، جہاں تک ہوسکے لوگوں کی مدد بھی کرتا ہوں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف میرے اکیلے کے پڑھنے کی وجہ سے میرے ملک اور معاشرے کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے۔اگر ہمارے ملک کے سارے افراد باہم معذوری تعلیم سے آراستہ ہوجائیں تو ہم ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

(بشکریہ مکالمہ)

کوئٹہ میں جعلی مقابلوں کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

بلوچ یکجہتی کمیٹی کی جانب سے سی ٹی ڈی کی حالیہ دنوں نوشکی اور مستونگ میں جعلی مقابلوں اور نشتر ہسپتال میں پھینکی گئی 500 کے قریب لاشوں اور ان کی ڈی این اے میں تاخیر اور مسئلے کو دبانے کی کوششوں کے خلاف کوئٹہ کے علاقے بروری روڑ بی ایم سی سے ایک ریلی نکالی گئی جس میں کثیر تعداد میں خواتین ونوجوانوں سمیت عوام نے شرکت کی تھی۔

ریلی بی ایم سی سے شروع ہوکر بروری روڈ سے چلتے ہوئے اسپنی روڑ سے ہوکر ہاکی چوک کے مقام تک پہنچی جہاں مظاہرین نے ٹریفک معطل کرتے ہوئے وہاں ڈھیرے ڈال دیے۔

ہاکی چوک کے مقام پر مظاہرین 2 گھنٹے تک بیٹھے رہیں اور مظاہرے میں شریک لاپتہ افراد کے لواحقین اور سیاسی و انسانی حقوق کے تنظیموں کے عہداروں نے خطاب کیا۔

مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے لاپتہ مٹھا خان مری کی اہلیہ نے کہا کہ ہم کس قرب سے گزر رہے ہیں اس کا کسی کو اندازہ نہیں ہے مٹھا خان مری کی جبری گمشدگی سے ہم معاشی اور نفسیاتی مسائل سے دوچار ہیں بچوں سے اسکول میں جب پرچے حل کرنے کیلئے دیے جاتے ہیں تو وہ وہاں" مٹھا خان مری کو بازیاب کرو" کا نعرہ لکھتے ہیں، ہم پر سنگین وقت گزر رہے ہیں۔

انہوں نے ریاستی اداروں سے اپنے شوہر کی بازیابی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم پر رحم کریں اور ہماری زندگی کو ہمیں لوٹا دیں اگر ان سے کوئی غیر قانونی کام سرزد ہوئی ہے تو انہیں عدالت میں پیش کرکے سزا دی جائے۔

لاپتہ ذاکر مجید کی والدہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جب بھی کسی کی لاش گرنے کی خبر آتی ہے تو ہمارا کلیجہ پھٹ جاتا ہے کہ کہیں ہمارے بیٹے کو نہ مارا جائے سب کے بچے ہیں سب کیلئے دل میں درد ہوتا ہے۔

آواران سے سفر خان کی کزن نے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے حکومت اور ریاستی اداروں سے اپیل کی کہ ہمیں آپ سے کچھ نہیں چاہیے بس ہمیں ہمارے پیارے لوٹا دیں ہمارے چاند ہمیں لوٹا دیں جن کیلئے ہم آئے دن ترستے رہتے ہیں لیکن ان کی کوئی خبر نہیں اور وہ وہاں کیسے جی رہے ہیں اس کا کسی کو بھی اندازہ نہیں ہے۔

مہرگل مری کی ہمشیرہ نے احتجاج سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مہرگل مری کے جانے کی بعد ہمارے یہاں

قیامت جیسا سما ہے لیکن انہیں اس بات کا علم بھی نہیں ہوگا کہ اس کے جانے کے بعد ہم کیسے جی رہے ہیں اور ہم پر کیا گزر رہی ہے مہرگل مری ایک سرکاری شعبے سے وابستہ

انہوں نے ریاست سے اپنی بھائیوں کی بازیابی کا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا کہ رانا ثناء اللہ نے ہمیں یقین دہانی کرائی تھی کہ اب کسی بھی لاپتہ افراد کو فیک انکاؤنٹر میں نشانہ نہیں بنایا جائے گا مگر ہر گزرتے دن کسی کی لاش آتی ہے جبکہ انہوں نے ہم سے ان کی بازیابی کیلئے تین مہینے کا وقت مانگا تھا۔

آدمی ہے وہ ایسے کسی بھی جرم میں ملوث نہیں جنہیں اتنے عرصے تک لاپتہ رکھا جائے ریاست کو ہم پر رحم کھاتے ہوئے انہیں بازیاب کر دینا چاہیے ان کے بغیر ہماری زندگی قیامت جیسی گزر رہی ہے۔

لاپتہ رشید اور آصف کی بہن سائرہ نے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ تم ہمارا محافظ ہوگمر تم ہمارا قاتل نکلے، اس ریاست نے ہماری بچپن، تعلیم خواب سب چھین لیے ہیں، جن بھائیوں کیلئے ہم توڑا غلط سوچ بھی نہیں سکتے آج انہیں زندانوں کی نظر کیا گیا ہے اور ہمیں اس کا علم بھی نہیں کہ انہیں کیسے رکھا گیا ہے۔

انہوں نے ریاست سے اپنی بھائیوں کی بازیابی کا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا کہ رانا ثناء اللہ نے ہمیں یقین دہانی کرائی تھی کہ اب کسی بھی لاپتہ افراد کو فیک انکاؤنٹر میں نشانہ نہیں بنایا جائے گا مگر ہر گزرتے دن کسی کی لاش آتی ہے جبکہ انہوں نے ہم سے ان کی بازیابی کیلئے تین مہینے کا وقت مانگا تھا۔

مظاہرین سے بات کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کے رہنماء عبداللہ بلوچ نے بتایا کہ کوئی بھی ریاست اپنے شہریوں کے ساتھ اس طرح نہیں کرتا جو بلوچ عوام کے ساتھ کیا جا رہا ہے لیکن اس عوام نے آج بھی امیدیں نہیں چھوڑی ہیں اور ریاست سے انصاف کا متلاشی ہیں ریاست کو چاہیے کہ وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے لاپتہ افراد کو رہا کریں۔

سعدیہ نے بات کرتے ہوئے بتایا کی دنیا کی کوئی بھی قانون کسی بھی فورس کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ آپ اپنے شہریوں کا اس طرح قتل کریں مگر پاکستان میں بلوچ کے ساتھ ماورائے عدالت و آئین سب کچھ ہورہا ہے۔

احتجاج کے آخر میں بلوچ یکجہتی کمیٹی کے رہنماء ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ریاست آئے دن ہماری لاشیں پھینک کر ہمیں واضح پیغام دے رہی ہے کہ وہ ہماری نسل کشی میں دن بدن اضافہ کرتی جائے گی جبکہ اس نسل کشی میں صرف فورسز نہیں بلکہ عدالت پارلیمنٹ حتی کہ صحافی بھی اپنا مجرمانہ کردار ادا کر رہے ہیں، ایک صحافی فیک انکاؤنٹر کو اس طرح جواز فراہم کرتا ہے کہ بلوچستان میں فوج پر حملے ہوتے ہیں اس لیے فیک انکاؤنٹر میں لاپتہ افراد کو ٹارگٹ کیا جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں ہر طبقہ بلوچ نسل کشی میں شامل ہے اس لیے اب بلوچ قوم کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اس ظلم اور جبر کا سامنا کرتے ہوئے ان ظالموں کے خلاف جدوجہد کریں گے جو ان کے اوپر ظلم کرتے ہیں یا خاموشی سے ایسے ہی مرتے رہیں گے۔

(بشکریہ دی بلوچستان ٹائمز)

’’ہم پانچ چھ لڑکیاں ایک کتاب میں سبق پڑھتی ہیں‘‘

شاہ نواز آفریدی

باڑہ باڑہ: ’’ہم پانچ یا چھ لڑکیاں کلاس میں ایک گروپ میں بیٹھ کر ایک کتاب میں سبق پڑھتی ہیں، ٹیچر کسی بھی لڑکی سے اپنے متعلقہ مضمون کی کتاب لے کر بورڈ پر کام کرواتی ہے اور ہم وہ کاپیوں پر لکھتی ہیں اور پھر بعد میں گھر میں بھی پڑھتی ہیں کیونکہ ہمارے ساتھ تمام مضامین کی تمام کتابیں موجود نہیں‘‘، یہ باتیں گورنمنٹ گرلز مڈل سکول باڑہ تحصیل کی پانچویں کلاس کی فاطمہ نے کیں۔

ان کا کہنا تھا کہ ان کے پاس صرف حساب اور انگریزی کی کتابیں ہیں جبکہ دیگر لڑکیوں کے ساتھ دوسرے مختلف مضامین کی کتابیں ہیں، ’’اگست کے وسط میں ہماری چھٹیاں ختم ہوئی ہیں اور اب تک ہمیں مکمل طور پر کتابیں نہیں ملیں جس کی وجہ سے گرمیوں کی چھٹیاں مکمل طور پر بغیر کتابوں کے گزاری ہیں۔ اسی سکول کی ہی پانچویں کلاس میں پڑھنے والی فاطمہ کی سہیلی عائشہ نے ٹی این این کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ تعلیم سے زیادہ لگاؤ کی وجہ سے وہ بڑی ہو کر استانی بننا چاہتی ہے، ’’اسی شوق کے باعث جب میرے پاس گزشتہ گرمیوں کی چھٹیوں میں پانچویں کلاس کی کتابیں وغیرہ نہیں تھیں تو میں چوتھی کلاس کی کتابیں پڑھتی تھی تاکہ میرے مطالعہ میں وقفہ نہ آئے، اور میں اسی طرح اپنا شوق بھی پورا کر لیتی تھی۔‘‘ ضلع خیبر کے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفس کے مطابق کے ضلع خیبر کے سرکاری سکولوں کو اب تک تقریباً 60 فیصد تک کتب فراہم کی جا چکی ہیں تاہم اس کے باوجود بھی سکولوں میں کتابوں کی بہت کمی آ رہی ہے، ٹیکسٹ بک بورڈ سے کتب کا مطالبہ ’’کلاس وائز‘‘ کیا جاتا ہے جبکہ ان کی طرف سے کتابوں کی فراہمی بھی ’’کلاس وائز‘‘ کی جاتی ہے۔

ڈی ای او آفس کے مطابق خیبر میں کے جی سے لے کر بارہویں تک طلبہ و طالبات کی تعداد 115000 (ایک لاکھ پندرہ ہزار) تک ہوگی اور ہم نے ابھی سے آئندہ سیشن یعنی سال 24-2023 کے لئے بھی پانچ فیصد اضافی تعداد کے مطابق کتب کی فراہمی کے مطالبے کی تیاری کی ہے۔

باڑہ کے سماجی کارکن و ویلیج کونسل کے چیئرمین زاہد اللہ آفریدی نے بتایا کہ وہ علاقے میں تعلیم کے میدان میں بہت سرگرم ہیں اور بچوں کو درپیش مسائل میں ہر ممکن مدد کرتے ہیں، حالیہ کتب کی کمی کے باوجود مختلف سکولوں میں ضرورت مند بچوں اور بچیوں کو مفت کاپیاں دیں، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ صوبائی حکومت جلد از جلد جلد خیبر بالخصوص متاثرہ باڑہ کے بچوں اور بچیوں کو کتب کی فراہمی یقینی بنائے تاکہ والدین اور عوام کا حکومت اور سرکاری سکولوں پر اعتماد ہو سکے کیونکہ باڑہ میں بیشتر سرکاری تعلیمی اداروں کی بلڈنگز ہی نہیں ہیں اور طلباء خیموں میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کئی سال گزرنے کے باوجود بھی درجنوں سکولوں پر کام شروع ہونے کے بعد تا حال تعطل کے شکار ہے۔

درجنوں سکولوں پر تعمیراتی کام تعطل کا شکار

زاہد اللہ آفریدی کے مطابق باڑہ کے سینکڑوں سکولوں میں ہزاروں طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں جن میں بہت ساروں کے پاس کتابوں کی کمی ہے اور اگر صورت حال اسی طرح رہی تو سرکاری سکولوں پر سے والدین کا اعتماد ختم ہو جائے گا اور استطاعت رکھنے والے افراد اپنے بچوں کو پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں داخلہ دلوا دیں گے جبکہ غریب عوام کے بچے تعلیم سے محروم ہو کر رہ جائیں گے۔

پانچویں کلاس کی طالبہ عائشہ نے بتایا کہ ان کے کلاس میں 56 طالبات زیر تعلیم ہیں اور ان میں سے بیشتر کے پاس مختلف مضامین کی کتابیں ہیں جس سے استانیاں کام کرواتی ہیں اور ہماری استانیاں اپنے پیسوں سے بھی سکول میں کام کرتی ہیں مگر حکومت کی جانب سے ہمیں زیادہ سہولیات مہیا نہیں۔

پاکستان تحریک انصاف باڑہ کے رہنماء عبدالغنی آفریدی نے رابطہ کرنے پر بتایا کہ کتب کی کمی کے معاملے پر وہ وزیر تعلیم کے ساتھ رابطے میں ہیں اور ایک دو روز میں باقاعدہ ملاقات کر کے خیبر میں درپیش مسائل سے آگاہ کریں گے، کتابوں کی کمی پر ضلعی انتظامیہ اور محکمہ تعلیم خیبر کے ذمہ داران سے بھی بات ہوئی ہے اور علاقے سے کتب کی کمی کا ڈیٹا اکٹھا کیا ہے جس پر ہر ممکن حد تک کام کر کے کتابوں کی فراہمی ممکن بنائیں گے۔ (بشکریہ، ٹرائبل نیوز نیٹ ورک)

سکول کی تعمیرات میں بے ضابطگیوں کے خلاف مقدمہ دائر

سنجھوڑو وارڈ نمبر 02 سنجھوڑو میں اسکول کی تعمیرات میں بے ضابطگیوں کے خلاف مقدمہ دائر، فریقین کو نوٹس جاری۔ تفصیلات کے مطابق سندھ ایجوکیشن ورکس حکومت سندھ کی جانب سے گورنمنٹ پرائمری اسکول وارڈ نمبر 02 سنجھورو کی تعمیرات کے سلسلے میں اسکول کو منہدم کر کے دوبار تعمیر کرنے کا ٹھیکہ گورنمنٹ کانٹریکٹر عبدالحکیم چانڈیو کو دیا گیا تھا لیکن مزکورہ ٹھیکیدار نے مبینہ طور پر ایک اور ٹھیکیدار مبارک چانگ اور افسران سے ملی بھگت کر کے مزکورہ اسکول کی بلڈنگ کا پرانا میٹریل استعمال کرتے ہوئے اسکول کی تعمیر کا کام شروع کر دیا اور لاکھوں روپے مالیت کا سامان غیر قانونی طور پر ہڑپ کر لیا ہے جس میں سریا دری دروازے و دیگر سامان شامل ہے۔ علاقہ مکینوں نے محکمہ ایجوکیشن ورکس کے افسران و ٹھیکیداروں کے اس غیر قانونی عمل کے خلاف سینئر سول جج جناب باغ علی شر صاحب کی عدالت میں ان بے ضابطگیوں کے خلاف مقدمہ داخل کیا ہے جسے عدالت نے داخل کرتے ہوئے فریقین کو اپنا جواب دعویٰ داخل کرنے کیلئے نوٹسز جاری کرتے ہوئے 19 اکتوبر کو عدالت میں طلب کر لیا۔

(ابراہیم خلجی سانگھڑ)

سول اسپتال سے شیر خوار بچہ لاپتہ

سکھر سکھر سول اسپتال کے NICU وارڈ سے محمد موسیٰ کا بچہ لاپتہ ہو گیا ہے۔ محمد موسیٰ کا کہنا تھا کہ یہ میرا اکلوتا بیٹا تھ۔ اتین دن سے بچہ زیر علاج تھا جس کا دو ہفتے پہلے جنم ہوا تھا۔ مزید بتایا کہ ہسپتال کے اسٹاف نے بچے کے والد اور والدہ کو ٹیسٹ کروانے کے لیے باہر بھیجا تھ۔ اواپس آئے تو بچہ نہیں تھا۔ اسٹاف نے میرے بچے کو اغوا کروایا ہے۔ مزید بتایا کہ میں ایک کمپنی میں ڈرائیوری کے طور پر ڈیوٹی سرانجام دیتا ہوں۔ اعلیٰ حکام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فوری طور پہ بچہ بازیاب کروائیں۔ حدود تھانہ سی سیکشن سکھر کے ایس ایچ او سہیل عباس نے سیکیورٹی گارڈ اور تین اور ملازموں کو حراست میں لیکر تفتیش شروع کر دی ہے سول اسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر اختر تسلیم خیمسانی نے بتایا کہ بچے کو ایک خاتون خالہ ہونے کا بتا کر اغوا کر کہ لے گئی۔ پولیس کو تفتیش کے لیے کہہ دیا ہے۔

(شاکر جمالی)

نامعلوم افراد کی فائرنگ سے عورت قتل

میانوالی تفصیلات کے مطابق تھانہ کندیاں کے نواحی علاقہ بانگری یوسی کچہ گجرات میں ایک خاتون کو نامعلوم افراد نے سر میں فائر مار کر قتل کر دیا۔ تھانہ کندیاں میں ایف آئی ار درج ہونے کے بعد پوسٹ مارٹم کے بعد میت کو مقامی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ پولیس کو عورت کے رشتہ داروں پر شک ہے۔ اس کیس کے بارے میں تین مقامی افراد سے رابطہ کیا گیا۔ ان میں سے ایک فرد نے بتایا کہ تھانہ کندیاں میں نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی ار درج ہوگئی ہے اور پوسٹ مارٹم کے بعد لاش کو دفن کر دیا گیا ہے۔ ابھی تک کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

(محمد رفیق)

محکمہ صحت کے ملازمین کا پولیو مہم کے بائیکاٹ کا اعلان

شمالی وزیرستان شمالی وزیرستان میں محکمہ صحت کے ملازمین کا میرانشاہ پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ۔ پولیو مہم کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ ایک لاکھ سے زائد بچوں کا مستقبل خطرے میں ہے۔ پی ایس ڈی پی، گاوی، اے ڈی پی پراجیکٹ ملازمین اور پرامیڈکس ملازمین نے میرانشاہ پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں بینرز اٹھا رکھے تھے جن پر مطالبات درج تھے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے آل پرامیڈکس ایسوسی ایشن کے اراکین کا کہنا تھا کہ 2004، 2008 اور 2011 میں بھرتی ہونے والے محکمہ صحت کے ملازمین کو ریگولر کرنے کیلئے صوبائی حکومت نے اسمبلی سے بل منظور کروایا جس پر پورے صوبے میں ملازمین کو ریگولر کرنے پر کام ہو رہا ہے لیکن شمالی وزیرستان کے محکمہ صحت کے ملازمین کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے پراجیکٹ ملازمین کو ابھی تک ریگولر کیلئے ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ ہم اعلیٰ حکام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے مطالبات حل کریں اور پراجیکٹ ملازمین کو ریگولر کرنے پر عمل درآمد کریں بصورت دیگر وہ 19 اکتوبر کے بعد آنے والے پولیو مہم، روٹین ویکسینشن اور دیگر حفاظتی ویکسینشن کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کرتے ہیں جب تک ہمارے مطالبات حل نہیں ہوتے بائیکاٹ جاری رہے گا۔

(مسعود شاہ)

چار سالہ لاپتہ معصوم بچی کی گلہ کٹی لاش برآمد

نوشہرو فیروز تفصیلات کے مطابق نواحی درگاہ سید یعقوب شاہ کے گدی نشین یونین کاؤنسل مصر جی واہ اور ضلع کاؤنسل کے ممبر سید نور محمد شاہ لکیاری کی چار سالہ لاپتہ بیٹی زینب بی بی کی مبینہ گلہ کٹی لاش درگاہ سلیمان شاہ کے قریب سے دریا خان مری پولیس نے برآمد کی ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ شام معصوم بچی گھر کے قریب کھیلتے ہوئے اچانک لاپتہ ہوگئی تھی جو کافی تلاش کے باوجود نہیں مل سکی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ پولیس نے شک کی بنا پر دو افراد کو گرفتار کر لیا ہے۔ دوسرے واقعہ میں تھاروشاہ کے وارڈ نمبر تین کے قاضی محلّہ سے گھر کے باہر کھیلتے ہوئے آٹھ سالہ بچہ زین علی راجپوت ولد گلو ولد نصیر الدین راجپوت اچانک لاپتہ ہوگیا ہے۔ علاقہ میں تلاش کے باوجود بچے کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ والدین نے واقعہ کی رپورٹ تھانہ میں کرادی گئی ہے۔ تیسرے واقعہ میں نواحی علاقہ پیر صادق کے رہائشی بھیل برادری کے افراد بابو بھیل، مٹھو بھیل، میو بھیل، چیتن بھیل سمیت دیگر نے احتجاجی مظاہرہ کرتے ہوئے میڈیا کو بتایا کہ ایک سال قبل ہم نے اپنی بیٹی اندرا بھیل کی شادی نوابشاہ کے علاقہ سٹھ میل بھاگو بھیل سے کی تھی جو میری بیٹی پر ہر روز تشدد کرتا تھا۔ میرے داماد بھاگو بھیل اس کے سسر اتمون بھیل نے اندرا بھیل کو گلہ دبا کر قتل کر دیا۔ اطلاع پر ہم بیٹی کی لاش اٹھا کر پیر صادق لائیں ہیں انہوں نے آجی سندھ ڈی آجی شہید بے نظیر آباد عرفان بلوچ سے مطالبہ کیا ہے کہ ہمیں انصاف دلایا جائے اور قاتلوں کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔

(الطاف حسین قاسمی)

علی اصغر بنگلزئی کے جبری گمشدگی کو بیس سال مکمل ہوگئے

کوئٹہ علی اصغر کی اہلیہ 20 سالوں سے اپنے شوہر کا انتظار کر رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بیس سال جیسے انہوں نے گزارے ہیں ان کا صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ علی اصغر کے بچے اپنے والد کی شفقت سے محروم زندگی گزار کر نوجوان ہوگئے۔ علی اصغر کے خاندان اس کرب و اذیت میں مبتلا ہے کہ وہ زندہ ہے کہ رحلت کر گئے ہیں ریاست اور ریاستی ادارے اخلاقی جرات کا مظاہرہ کر کے خاندان کو علی اصغر کے حوالے سے معلومات فراہم کریں۔

(عبداللہ بلوچ)

حکومتی نوٹیفکیشن کے مطابق اجرت نہ ملنے پر بھٹہ مزدوروں کا احتجاجی دھرنا

ٹوبہ ٹیک سنگھ حکومتی نوٹیفکیشن کے مطابق اجرت نہ ملنے پر بھٹہ مزدوروں نے شہباز چوک میں احتجاجی دھرنا دیا اور شدید نعرہ بازی کی۔ مظاہرین میں بھٹہ مزدور خواتین اور بچے بھی شریک تھے۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں پلے کارڈ اور سرخ پرچم تھام رکھے تھے۔ احتجاجی دھرنے کی قیادت بھٹہ مزدور یونین کے ضلعی رہنما محمد شبیر اور سیاسی وسماجی رہنماء فاروق طارق نے کی۔ احتجاجی مظاہرین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ انہیں حکومتی نوٹیفکیشن کے مطابق اجرت دلائی جائے۔

(اعجاز اقبال)

اراضی تنازعہ کے باعث پرائمری سکول دو ہفتوں سے بند

پشاور پشاور کے علاقہ رستم ملندری میں اراضی تنازعہ کے باعث پرائمری سکول 2 ہفتوں سے بند ہے۔ فریقین کے مابین وقتاً فوقتاً کراس فائرنگ سے بچوں میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے، مڈل سکول پیتاؤ ملندری اور گرلز مڈل سوری ملندری میں حاضری نہ ہونے کے برابر ہے۔ بند سکولوں کا سٹاف بریگنن اور مچھی میں ڈیوٹی پر معمور ہیں۔ اس حوالے سے والدین نے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کا مستقبل تاریک ہونے سے بچایا جائے۔ پانچ اکتوبر کو قوم حمزہ خیل اور قوم خماری خیل کے مابین اراضی تنازعہ پر فائرنگ سے ایک شخص جاں بحق جبکہ تین افراد شدید زخمی ہوئے تھے جس کے بعد پورے علاقے میں خوف کی فضا قائم ہوگئی۔ چودہ دن گزر گئے لیکن گورنمنٹ پرائمری سکول پیتاؤ ملندری اور گورنمنٹ پرائمری سکول غازی بانڈہ تا حال بند ہیں۔ پیتاؤ ملندری سکول کا سٹاف گورنمنٹ پرائمری سکول بریگنن میں جبکہ غازی بانڈہ پرائمری سکول کا سٹاف مچھی میں ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں، جبکہ گورنمنٹ مڈل سکول پیتاؤ ملندری اور گورنمنٹ گرلز مڈل سکول سوری ملندری میں حاضری نہ ہونے کے برابر ہے، والدین نے وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا محمود خان اور انسپکٹر جنرل آف پولیس معظم جاہ انصاری سے مذکورہ سکولوں کو سیکورٹی فراہم کرنے اور جلد از جلد کھولنے کا مطالبہ کیا ہے تاکہ معصوم بچوں کا مستقبل تاریک ہونے سے بچ جائے اور وہ پرسکون ماحول میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو بچے گھروں میں ذہنی مریض بن جائیں گے۔

(مسعود شاہ)

انصاف نہ ملنے پر خاتون کی خودکشی

اوکاڑہ حویلی لکھا میں برہنہ تصاویر وائرل ہونے پر 4 بچوں کی ماں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ نبیلہ بی بی کی برہنہ تصاویر ملزمان عنصر، تیمور، ذیشان اور فاطمہ بی بی نے ذاتی رنجش کی بناء پر وائرل کی تھیں۔ نبیلہ بی بی نے ملزمان کے خلاف سائبر کرائم ایف آئی اے لاہور میں درخواست دائر کر رکھی تھی۔ ملزمان عنصر وغیرہ نے نبیلہ بی بی کو طعنہ دیا کہ 'ہم نے آپ کی ننگی تصاویر وائرل کی ہیں آپ نے درخواست دے کر ہمارا کیا بگاڑ لیا ہے'؟ نبیلہ بی بی نے اس واقعہ کے بعد گھر آ کر زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ حویلی لکھا پولیس نے نبیلہ بی بی کی والدہ شمیم بی بی کی درخواست پر ملزمان عنصر، تیمور، ذیشان اور فاطمہ بی بی کے خلاف مقدمہ درج کر کے ذیشان کو گرفتار کر لیا ہے، جبکہ دیگر ملزمان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔

(اصغر حسین حماد)

مالیات کا دفتر منتقل کرنے پر ملازمین کو مشکلات کا سامنا

چمن بلوچستان کے دوسرا بڑا شہر چمن ہے جس میں سات لاکھ نفوس سے زیادہ آباد ہیں۔ اس شہر میں ضلع کے تمام دفاتر موجود ہیں۔ گزشتہ سال نئے ضلع بننے پر چمن شہر سے خزانہ آفس میزئی اڈہ کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں آبادی کی بہت کمی ہے۔ لوگوں کو معمولی کام کی وجہ سے میزئی اڈہ جانا پڑتا ہے جہاں ہزاروں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ چمن کے لاکھوں نفوس کو وہاں جانے میں بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن آئینی ضلع چمن کے صدر فضل محمد کاکوزئی، وطن ٹیچرز ایسوسی ایشن چمن کے صدر شاہ ولی اچکزئی، جی ٹی اے چمن کے جنرل سیکرٹری عبدالجبار مخلص اور دیگر اساتذہ کرام نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر محمد صدیق کو بتایا کہ چمن شہر سے خزانہ آفس کی منتقلی افسوسناک عمل ہے۔ صوبے کے دوسرے بڑے شہر چمن سے مالیات کے دفتر کو چھوٹے قصبہ میں منتقل کرنا چمن کے ملازمین کیساتھ ظلم کے مترادف ہے۔ چمن شہر کی تمام سیاسی، سماجی اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے حکومت بلوچستان سے پرزور اپیل کی کہ وہ چمن شہر میں مالیات کے جلد از جلد قیام کیلئے ٹھوس اقدامات اٹھائیں جائیں تاکہ چمن کے ملازمین مشکلات سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔

(محمد صدیق)

عوام مہنگے داموں آٹا خریدنے پر مجبور

چمن چمن فوڈ گودام کی بندش سے عوام مہنگے داموں آٹا خریدنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ عرصہ دراز سے فوڈ گودام مکمل طور پر خالی پڑا ہوا تھا جبکہ گزشتہ کئی مہینوں سے محکمہ ریلوے نے مکمل طور پر سیل کر دیا ہے۔ ریلوے کی جانب سے ریلوے ٹریک لگا کر فوڈ گودام کو سیل کر دیا تا حال کسی بھی جانب سے توجہ نہیں دی گئی۔ تفصیلات کے مطابق چمن فوڈ گودام کو عرصہ گزشتہ بارہ سال سے کوٹے کے حساب سے آٹا فراہم نہیں کیا جا رہا جبکہ چمن میں رجسٹرڈ چودہ چکی کام کر رہے ہیں جو کوٹہ نہ ملنے پر بند ہوتے جا رہے ہیں جبکہ کچھ چکی مالکان مہنگے داموں گندم خرید کر اپنی چکی کو فعال رکھوائیں اسی طرح چمن شہر میں آٹے کی قیمتوں میں بدترین اضافہ ہو چکا ہیں جس کیلئے دیگر اضلاع کی طرح چمن کو سرکاری نرخ پر گندم فراہم نہیں کیا جا سکا عوامی حلقوں نے بارہا حکومت بلوچستان اور محکمہ خوراک سے اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ محکمہ فوڈ اور محکمہ خوراک کی جانب سے چمن کا کوٹہ مقامی چکیوں کو دیکر شناختی کارڈ یا سرکاری کارڈ پر آٹا فروخت کیا جائے تاکہ مڈل طبقہ اور سرکاری ملازمین کو سستا اور ارزاں نرخوں پر آٹا کی فراہمی ممکن ہو شہریوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ چکیوں کا سروے بھی کیا جائے اور نام نہاد چکیوں کو لسٹ سے نکال کر فعال چکیوں کو کوٹہ دیا جائے جبکہ چمن کا کوٹہ جو کہ 36 ہزار تک بتایا جا رہا ہیں جس کو دیگر فلور ملز میں تقسیم کیا جا رہا ہیں جو کہ دیگر اضلاع میں ہے ان کی بجائے مقامی چکیوں پر انحصار کیا جائے کیونکہ اس سے مقامی افراد کو روزگار بھی ملے گا جو کہ چمن کے عوام کا حق ہیں چمن شہر میں آٹے کے بحران پر قابو پانے کیلئے اقدامات اٹھانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ غریب طبقہ کو سستا اور ارزان نرخوں پر آٹا مہیا کیا جا سکے۔

(محمد صدیق)

سندھ میں عورتوں پر سیلابی بحران کے اثرات کے موضوع پر آگاہی اجلاس

نواب شاہ 06 اکتوبر کو نواب شاہ پریس کلب کے محرم علی بھٹی آڈیٹوریم میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان حیدرآباد ریجن کے تحت سندھ میں عورتوں پر سیلابی بحران کے اثرات کے عنوان سے منعقدہ آگاہی نشست سے خطاب کرتے ہوئے رکن سندھ اسمبلی اور سندھ پبلک اکاونٹس کمیٹی کے چیئرمین غلام قادر چانڈیو نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ سندھ میں موسمیاتی تبدیلی کے بدترین اثرات سے متاثرہ طبقات میں سب سے زیادہ سندھ کی عورت متاثر ہوئی ہے اور حکومت سندھ تمام تر وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لاکر بھی متاثرین کی بروقت امداد میں کمزور رہی تاہم بدترین تباہی میں کئی چیلنجز پر بروقت پیش قدمی کرتے ہوئے کامیابی حاصل کی۔ غلام قادر چانڈیو نے کہا کہ برساتوں اور سیلاب کی تباہ کاریوں میں خواتین کا طبقہ بڑی آزمائش کا شکار ہے حکومت سندھ نے امدادی کاموں کیلیے جو حکمت عملی طے کی تھی اس کے مطابق صرف امدادی راشن تک رسائی ہی نہیں بلکہ متاثرین کی بحالی کیلیے بھی اقدامات ناگزیر ہیں انہوں نے کہا ہے کہ مجموعی صورتحال میں سیلابی پانی سے نقل مکانی کرنے والی خواتین اپنے ساتھ ساتھ بچوں کیلیے بھی سرکردہ رہی اور اس مشکل گھڑی میں وہ مرد کیساتھ کھڑی رہی تاکہ ایک دوسرے کو سہارا دے سکیں غلام قادر چانڈیو نے مزید کہا کہ انسانی حقوق کمیشن نے ایک واضح مطالبہ رکھا ہے کہ خالصا انسانی حقوق کی بنیاد پر سندھ کے متاثرین بشمول خواتین کی بحالی کیلیے اقدامات کیے جائیں میں اس مطالبے کی نہ صرف تائید کرتا ہوں بلکہ اپنی سیاسی قیادت اور حکومتی ایوان میں بھی اس مطالبے کو پیش کرونگا۔ غلام قادر چانڈیو نے مزید کہا کہ اداروں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان اپنی جگہ ہیں لیکن مسائل کو حقیقت پسندی کی بنیاد پر حل کرنا ہماری ترجیحات میں شامل ہے قبل ازیں ہیومن رائٹس کمیشن حیدرآباد کے ریجنل کوآرڈینیٹر امداد چانڈیو نے اپنی گفتگو میں کہا کہ سندھ میں ہونے والی برساتوں اور سیلاب کی تباہ کاریوں نے انسانی المیہ برپا کیا اس صورتحال میں عورت کو ایک بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ بستیاں اور شہر ملیہ میٹ ہوگئے بڑی تعداد میں اموات ہوئیں۔ سندھ میں عورتوں کی اموات کی شرح زیادہ ہے زچگی کے باعث اموات میں بچے بھی موت کا شکار بنے۔ اس کی بنیادی وجہ ہیلتھ کیئر سہولیات کی عدم دستیابی رہی۔ امداد چانڈیو نے مزید کہا کہ ایک طرف تباہ کاریوں کا شکار خواتین کو امداد نہ ملنے کی شکایت رہی دوسری طرف ذرائع روزگار بھی ختم ہوگئے۔ زراعت۔ پرائیویٹ سیکٹر میں ملازمت کرنے والی خواتین روزگار سے محروم ہوئیں، گھر نہ رہا تو گھریلو صنعتیں بھی نہ رہیں۔ ریجنل اسسٹنٹ کوآرڈینیٹر HRCP غفرانہ آرائیں نے کہا کہ خوراک کی کمی کی وجہ سے عورتوں کی پیچیدگیاں مزید بڑھ گئیں۔ سیلاب زدہ خواتین ریلیف کیمپوں میں بھی غیر محفوظ نظر آئیں بالخصوص بیوہ خاتون۔ طلاق یافتہ اور یتیم لڑکیوں اور خواتین کیلیے مشکلات زیادہ رہیں۔ انہیں امدادی کھانے، راشن اور سامان کے حصول میں کئی مشکلات درپیش رہیں۔ کئی خواتین ریلف کیمپوں میں پانی اور بجلی کی عدم دستیابی کے باعث شدید مشکلات میں نظر آئیں۔

(آصف البشر)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟(مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ	
11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتا غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور تقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

سرورق ڈیزائنر: زہرہ عامر
کمپوزر: جمال احمد، سید رضا شاہ